رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر ( )

رجسٹر آصفیہ (نمبر ۱۸)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ .... لے
ششماہی .... بے
سہ ماہی ۱۲

قیمت پرانا پرچہ (۴)

قیمت فی پرچہ (۲)

نمبر (۳)	۲ مئی سنہ ۱۹۴۲ء شنبہ	۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ	۲۸ خورداد ۱۳۵۱ ف	جلد (۲)

جنگ اور قیمتوں کی نگرانی

طلب یا رسد میں سے کسی ایک پر نگرانی قائم رکھنا ضروری ہے

تقریر جناب ڈاکٹر امیر علی خاں صاحب

ڈاکٹر امیر علی خاں صاحب چیف مارکٹنگ افسر حکومت سرکار عالی نے حال ہی میں نشرگاہ لاسلکی حیدرآباد سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے جنگ کے زمانہ میں قیمتوں پر نگرانی رکھنے کے مسئلہ کا ہمہ اور جائزہ لیا۔ اور اس کی مشکلوں اور ان پر قابو پانے کی تدبیروں کا ذکر کیا۔ مملکت حیدرآباد میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ بیوپاریوں کے نمایندوں سے اقرار حاصل کرنے کے بعد مخصوص دکانوں پر خاص اجناس کی انتہائی قیمت فروخت کا حکومت اعلان کر دیتی ہے آپ نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس طریقہ کار سے اب تک نہایت اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

قیمتوں میں اضافہ

ڈاکٹر امیر علی خاں صاحب نے تقریر کے آغاز میں قیمتوں میں اچانک اضافہ کا ذکر کیا جو جنگ شروع ہونے کے بعد چند ہفتوں کے اندر صورت پذیر ہوا۔ "ہر شخص نے دل میں سوچا کہ اب گزشتہ جنگ کی مانند قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ لہذا ضروریات زندگی کا جس قدر بھی ذخیرہ جمع کر لیا جائے بہتر ہے"۔ اس طلب کی بنا پر قیمتوں میں یکایک اتنا اضافہ ہو گیا کہ حکومت ہند نے ایک کانفرنس کی ضرورت محسوس کی کہ صورت حال کا جائزہ لیا جائے اور ان افواہوں پر غور کیا جائے جو منافع خوری کے باعث مزدور پیشہ لوگوں کی جانب سے گوداموں کے لوٹے جانے کے متعلق عام ہو گئی تھیں، ان سے اتنا اثر ہوا اور قیمتیں گھٹنے لگیں۔ حتی کہ نومبر سنہ ۱۹۳۹ء میں جب دہلی میں نگرانی قیمت اشیا کی دوسری کانفرنس منعقد ہوئی تو صوبہ جات اور ریاستوں کے اکثر نمائندوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ جنگ کے ابتدائی چند ہفتوں میں جو قیمتیں بڑھ گئی تھیں لیکن اس کے بعد خود بخود کم ہو گئیں۔

قیمتوں پر نگرانی

بعد ازاں آپ نے وضاحت کی کہ قیمت کا انحصار دراصل "طلب" اور "رسد" پر ہوتا ہے۔ جب تک ان دونوں میں سے کسی ایک پر قابو نہ پایا جائے قیمتوں کی نگرانی کی کوشش بے سود ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ بیوپاری طبقہ کے اکثر افراد گاہکوں کو لوٹنے کے لئے سامان جمع کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس طرح رسد میں کمی واقع ہوتی ہے اور قیمتیں غیر ضروری حد تک بڑھ جاتی ہیں لیکن ایسے طریقے نقصان سے خالی نہیں علاوہ ازیں اس طبقہ کے منافع لینے کے بعد جو دوسری ترکیبوں کی تلافی بتلاتی ہے۔ بیوپاریوں کو کیسے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نگرانی کا مفہوم

قیمتوں کی نگرانی کا مسئلہ اچھی طرح سمجھنے کے لئے لفظ "نگرانی" کا مفہوم واضح ہو جانا چاہئے۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جہاں عام جہالت کے باعث حکومت کے احکام سے سب لوگ واقف نہیں ہو سکتے "قیمتوں کی نگرانی" کا مسئلہ کچھ آسان نہیں البتہ یہ آسان ہے کہ انتہائی قیمت مقرر کر دی جائے تاکہ اس سے زیادہ نرخ پر تاجر وہ شے بیچ نہ سکے۔ لیکن اس بات کا یقین حاصل ہونا مشکل ہے کہ مقررہ قیمت سے زیادہ وصول نہیں کی جائے گی۔ ایسے ملک میں جہاں جملہ امور کا انحصار سرکاری ملازمین پر ہے خرید و فروخت کے ہر معاملہ پر نگرانی رکھنے کے لئے خود فوج کے برابر وسیع عملہ کی ضرورت ہوگی۔ اگر ایسا ہو بھی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ تنخواہیں کم ہونے کے باعث یہ عملہ سرکاری احکام سے اپنے حق میں ناجائز استفادہ نہیں کرے گا علاوہ ازیں اس عملہ کو برقرار رکھنے کا بار آخر کار خود رعایا پر پڑے گا۔

کھانے پینے کی چیزیں

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ سب سے زیادہ کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتوں پر نگرانی رکھنے کی ضرورت ہے "تاکہ آبادی کے غریب طبقوں کا بھلا ہو۔ لیکن ایسی چیزوں پر نگرانی رکھنا بہت مشکل ہے۔ خوردونوش کی ہر چیز مختلف اقسام کی ہوتی ہے۔ ان کی قیمتیں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ ان کی قسمیں مختلف ہوتی ہیں اور ان کی طلب گھٹتی بڑھتی ہے۔ جن مقامات میں غلہ کی کاشت ہوتی ہے وہاں ان کی قیمت ان مقامات کی قیمت سے مختلف ہوتی ہے جہاں غلہ جمع کیا جاتا ہے۔ اس طرح قیمت فروخت بھی یکساں نہ ہوتی ہے۔ اگر ان تمام امور کا لحاظ کیا جائے اور ان کے حدود مقرر کرنے کی کوشش کی جائے تو سرکاری احکام اس قدر کثرت سے نافذ کرنا ہوں گے کہ بجائے سہولت کے ایسی پیچیدگیاں لاحق ہو جائیں گی۔ حیدرآباد کا طریق کار بہتر رہا۔

دہلی کانفرنس کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حیدرآباد میں باقاعدہ طور پر کسی انتظام کا نہ کیا جانا ہی درست بھی تھا۔ نگرانی قیمت اشیا کے لئے جو کمیٹی حیدرآباد میں قائم کی گئی تھی اس کی صدارت پہلے مسٹر [illegible] اور اب

(بقیہ صفحہ [illegible])

مملکت
ہفتہ وار

جلد ۳ | ۲۸ خورداد ۱۳۵۵ف | نمبر ۳

اُردو کے خلاف ایک نیا محاذ

ایک عرصے سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ حیدرآباد کے بعض پبلک ادارے، جرائد اور پبلک کارکن چند مخصوص سیاسی تحریکات کے تحت اُردو کے خلاف اندرون و بیرون ملک ایک شور برپا کر رہے ہیں۔ ایک مطالبہ یہ کیا جا رہا تھا کہ ابتدائی تعلیم بچے کی مادری زبان میں دی جائے۔ جب حکومت نے مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کر دیا تو ایک دوسرا مطالبہ پیش کیا گیا کہ ثانوی تعلیم بھی مادری زبان میں دی جانی چاہیے۔ انتہا پسند افراد نے جامعہ عثمانیہ کے خلاف ایک شرانگیز مہم چلا رکھی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں ہندو زبان اور ہندو تہذیب کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ ایک طرف سے یہ آواز آ رہی ہے کہ حیدرآباد کی مشترکہ زبان ہندی ہے لہٰذا ہندی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔ ایک اور سمت سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ہندو دکنیوں کو اُردو سیکھنے کی کبھی ضرورت لاحق نہیں ہوتی ان کو اُردو سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ گروہ جو اپنے آپ کو اعتدال پسند سمجھتے ہیں وہ اس خیال کا اظہار کر رہے ہیں کہ ثانوی تعلیم مادری زبان میں دی جائے اور جامعہ عثمانیہ میں ذریعہ تعلیم اردو ہی رہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ گو سرکاری زبان اُردو ہے اور کوئی پبلک کارکن یا ادارہ سرکاری زبان کو بدلنا نہیں چاہتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہندو طلباء اپنی مادری زبان میں بخوبی لکھ پڑھ سکیں اور مقامی ضروریات کی تکمیل کے لئے مقامی زبانوں کو ثانوی منزل میں ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔ انہیں اعتدال پسند حضرات میں سے ایک مقامی معاصر جو حیدرآباد میں کانگریسی خیالات کا پرچار کرنے میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے حیدرآباد سیول سروس کے مرتبہ قواعد پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی [illegible] کی اشاعت میں تحریر کیا ہے کہ:-

"امیدواروں کو اب بجائے پانچ کے آٹھ پرچوں میں امتحان دینا ہوگا۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کو مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ دونوں زبانیں اپنی اپنی جگہ بہت دلکش ہیں۔ ان میں سے ایک حیدرآباد کی سرکاری زبان ہے تو دوسری ہندوستان کی تجارتی زبان لہٰذا اس پر تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن افسوس اس کا ہے کہ یہاں کے عوام کی کسی زبان کو جگہ نہیں دی گئی درآں حالیکہ ملک کی دیگر زبانوں کو اسی قدر جگہ ملنی چاہیے۔ کیونکہ ان امیدواران سیول سروس کو آگے چل کر جن لوگوں کی خدمت انجام دینی ہے ہمارے ملک میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو نہ تو اردو جانتے ہیں اور نہ انگریزی۔

اردو جاننے والوں کی اکثریت

ہم اپنے معاصر کے اس خیال کو تسلیم کرنے تیار نہیں ہیں کہ ہمارے ملک میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو اردو نہیں جانتے۔ ہماری رائے میں اس قسم کی تعبیر اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں دیہاتی لوگ زیادہ آباد ہیں جو مقامی زبان کے ساتھ ساتھ اردو بخوبی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ ممالک محروسہ کے جس گوشہ میں آپ چاہیں نکل جائیں اُردو بولنے اور سمجھنے والے عوام کی اکثریت پائی جائیگی۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض سیاسی اغراض کے تحت اس حقیقت سے انکار کیا جاتا ہے کہ اردو نہ جاننے والے اقلیت میں ہیں۔

اقتباس بالا میں اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ ملکی زبانوں کو سیول سروس میں جگہ نہیں دی گئی۔ بادی النظر میں اس اقتباس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ معاصر موصوف کی یہ خواہش ہے کہ سیول سروس میں ذریعہ تعلیم اردو ہے اور ملکی زبانیں بھی لازمی طور پر سکھائی جائیں تاکہ عہدہ داروں کو کاروبار نظم و نسق چلانے میں سہولت ہو اور وہ یہاں کے باشندوں سے ربط قائم کرسکیں۔ مقامی زبانوں کا سیکھنا مفید ثابت ہو سکے گا مگر معاصر موصوف کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے جس کو اسی اداریہ میں آگے چلکر واضح کر دیا گیا ہے چنانچہ تحریر کیا گیا ہے کہ:-

"جب مضامین امتحان سیول سروس کی تعلیم دی جاتی ہے اس وقت کوئی نہ کوئی زبان ملکی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اور جس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ ہمارے یہاں زبان ملکی کے امتحان اور اس میں کامیابی کی کیا وقعت ہے۔ وہ تو صرف ایک زبان دانی کا امتحان ہے جس کو کوئی حیثیت حاصل نہیں جو صرف ایک تکمیل ضابطہ ہے۔ ...... انگریزی اور اردو ان دونوں زبانوں کا معیار مساوی طور پر اس قدر بلند رکھنا ان امیدواران سیول سروس کے حق میں ایک زیادتی ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔"

نیا محاذ

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیدواران سیول سروس کا مقامی زبانوں سے واقف ہونا معاصر موصوف کے نزدیک کافی نہیں اور شاید اس کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ زبان دانی کے امتحان میں اگر کچھ نقائص ہوں تو رفع کئے جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے معاصر کی اصلی منشاء کیا ہے؟ اس اقتباس کی نہایت احتیاط کے ساتھ بھی تعبیر کی جا سکتی ہے کہ سیول سروس کی تعلیم اور امتحان مقامی زبانوں میں بھی ہو۔ اس کے سوا کوئی اور تعبیر کھینچ تان کر بھی کرنا چاہیں تو ممکن نہیں۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو سیول سروس کی جماعتیں انگریزی، اردو، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی میں قائم کرنی پڑیں گی۔ اردو کے خلاف یہ ایک نیا محاذ ہے جو عوام کے نام نہاد ہمدردوں نے قائم کیا ہے۔ معاصر موصوف بار بار کہہ چکا ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں ذریعہ تعلیم اردو ہے مگر جب جامعہ عثمانیہ کے طلباء سیول سروس میں شریک ہوتے ہیں تو انہیں معاصر موصوف کی زبان سے یہ سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اردو کا معیار بہت بلند ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ بی اے اور ایم اے میں چند طلباء سائنس، فلسفہ، ریاضی، سیاسیات، معاشیات وغیرہ جیسے ادق مضامین کے کامیابیوں کے ساتھ امتحانات کامیاب کرتے ہیں۔ اور جب یہی طلباء سیول سروس میں شریک ہوتے ہیں جس کا معیار بی اے سے ہرگز بلند نہیں ہوتا تو یہ کہنا کہ اردو کا معیار ان کے لئے ایک زیادتی ہے صداقت کا خون کرنا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض انتہا پسند لیڈر زبان کے مسئلہ کی آڑ میں وہی پرانے سیاسی کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور اردو پر مختلف سمتوں سے وار کئے جارہے ہیں۔ اگر معاصر موصوف کی تجویز کا مزید تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف طور پر مترشح ہوتی ہے کہ اگر سیول سروس کی تعلیم کا تلنگی، مرہٹی اور کنڑی میں انتظام کر دیا گیا (جو انتظامی اور دیگر نقطۂ نظر سے ناممکن ہے) تو دوسرا مطالبہ یہ پیش کر دیا جائے گا کہ ہر علاقہ کا نظم و نسق اسی علاقے کی زبان میں چلایا جائے۔ اس ذہنیت کی تہہ میں کونسے سیاسی محرکات کارفرما ہیں محتاج بیان نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ظاہر ہے کہ ہماری سیاسی وحدت میں ایک انتشار پیدا ہو جائے گا اور یہی انتہا پسند لیڈروں کا مطمح نظر ہے جس کو وہ خوشنما الفاظ میں اور عوام کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر پیش کرتے ہیں۔ ہم نے ان سیاسی محرکات پر جو زبان کے مسئلہ میں کارفرما ہیں اپنی ۲۲ اسفندار کی اشاعت میں تفصیلی بحث کی ہے اور حکومت کو خاط

ذیل میں اس جانب توجہ دلائی تھی۔

"بعض انتہا پسند لیڈروں نے ایک عرصہ سے یہاں ایک سیاسی مسئلہ بنا دیا ہے۔ یہ حضرات ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حیدرآباد کو ایک سیاسی وحدت بنا دیا اور اسکو سیاسی وحدت کی حیثیت سے برقرار رکھا جانا چاہئیے۔ اور دوسری طرف اردو کے خلاف جو ہمارے معاشری میل ملاپ اور ہماری سیاسی وحدت کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے ایک منظم مہم جاری کر رکھی ہے۔ ہمیں اس خیال کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہئیے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ان لیڈروں کے مطالبہ کے مطابق اردو کے بجائے اگر مقامی زبانوں کو اگر ثانوی منزل میں ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا تو وہ طالب علم جو تلنگی یا دوسری مقامی زبان میں میٹرک پاس کرینگے جامعہ عثمانیہ میں جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے کیا چل سکیں گے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد یہ مطالبہ کیا جائیگا کہ ایسے طلباء کے لئے تلنگی اور دوسری مقامی زبانوں میں جامعات قائم کی جائیں۔ اور فرض کیجئے کہ اس مطالبہ کو قبول کر کے حیدرآباد میں چار جامعات قائم کی گئیں تو اس کے بعد یہ مطالبہ ہوگا کہ ہر علاقے کا نظم و نسق اسی علاقے کی زبان میں چلایا جائے کیونکہ ان زبانوں میں مہارت رکھنے والے طلباء کافی تعداد میں موجود ہیں۔

یہ ہمارا محض قیاس نہیں۔ یہ مطالبہ بھی کیا جا چکا ہے کہ ہر علاقے کا نظم و نسق اسی علاقے کی زبان میں چلایا جائے۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ہماری سیاسی وحدت کا کیا حشر ہوگا۔ ہماری یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ ثانوی منزل میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مطالبہ محض مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے عقب میں زبردست سیاسی محرکات کارفرما ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ مفسدہ پرداز گریز رجحانات پیدا کر کے مملکت کا شیرازہ بکھیر دیں۔ ہم ارباب حکومت سے متوقع ہیں کہ وہ اس قبیل کے مطالبات کو جانچتے وقت اس سیاسی پس منظر کو نظر انداز نہیں کریں گے۔"

ہمیں یقین ہے کہ وہ ادارے اور جماعتیں بھی جو حیدرآباد کی سیاسی وحدت کو عزیز رکھتے ہیں صاحب موصوف کی اس تجویز کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے اور ایسی تحریکات اور گریز رجحانات کے ناجائز اثرات کو پھیلنے سے روکیں گے۔ اور حکومت ذریعہ تعلیم سے متعلق اپنی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔

سر اسٹافورڈ کرپس کی واپسی اور اس کے بعد

سر اسٹافورڈ کرپس کے مشن کی ناکامی کے بعد یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ اس کا رد عمل ہندوستان میں خفیف نتائج پیدا نہیں کرے گا۔ اور ایک نہایت نازک صورت حال رونما ہوگی۔ کانگریس نے بار بار اعلان کیا تھا کہ جب تک مکمل آزادی حاصل نہ ہو جائے اور جب تک حکومت دفاع بالکلیہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں نہ آجائے ملک کی مدافعت ممکن نہیں۔ کانگریس کی اس روش سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا رہا تھا کہ سامراجی جنگ میں کانگریس مزاحمت نہ کرے گی تو کم از کم بے تعلق تماشائی بنی رہے گی۔ لیکن یہ قیاس آرائی غلط ثابت ہوئی اور سر اسٹافورڈ کرپس کی واپسی کے بعد اب کانگریس ہندوستان کے تمام مردوں اور عورتوں کو جو فوجی خدمت کے قابل ہیں اس امر کی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بیرونی حملے کا مقابلہ کرنے اور مادر وطن کی حفاظت اور مدافعت کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہندو مہاسبھا سامراجی جنگ میں کامل تعاون کا یقین دلا رہی ہے۔ مسلم لیگ نے اس خصوص میں ابھی کوئی اعلان نہیں کیا۔

پنڈت نہرو کی قلابازی

اس نازک صورت حال سے دوچار ہونے اور بیرونی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے جو قائدین عوام کو آمادہ کر رہے ہیں ان میں پنڈت جواہر لال نہرو پیش پیش ہیں۔ پنڈت جی کی تقاریر پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر کے سنتھانم ایک صحافتی بیان میں کہتے ہیں کہ:۔

"پنڈت جی کا نعرۂ جنگ اب بدل گیا ہے۔ اب وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے استحکام کے خلاف نعرۂ جنگ بلند نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہر محب وطن ہندوستانی سے قربانی کے طالب ہیں تاکہ اپنے وطن کی حفاظت اور مدافعت کریں۔ جنگ سے متعلق جب ذہنیت میں یہ تبدیلی ہو گئی ہے تو کیا دیانتداری کا یہ تقاضا نہیں کہ کانگریس کی موجودہ منفی قرارداد کو منسوخ کر دیا جائے؟ کیونکہ اس قرارداد میں اہل ہند کو بالعموم اور کانگریسیوں سے بالخصوص یہ خواہش کی گئی ہے کہ سامراجی جنگ میں مزاحمت نہ کریں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ سامراجی جنگ میں براہ راست سرگرم حصہ نہ لیں اور احتراز عمل کریں.......

پنڈت جی نے اپنی تقاریر اور تحریرات کے ذریعہ پورا کیا ہے اس میں وہ کانگریس کی قرارداد سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے سامراجی جنگ سے متعلق اتنی گرمجوشی دکھائی ہے جو آج کے کانگریسی لیڈروں نے بھی نہیں دکھائی۔ وہ کیوں جرأت کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے اور کانگریس کی قرارداد میں بھی ترمیم کراتے جو ان کی مالیہ روش کے مطابق ہے؟"

ہاں مگر نہیں

کانگریس کے سابق صدر مولانا ابوالکلام آزاد ... کہتے ہیں کہ کانگریس کے اندر دو رجحانات ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ہندوستان کے باشندے آزادی کے لئے مدتوں سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور وہ ہر حملہ آور سے خواہ جرمنی ہو یا جاپان اسی طرح نبرد آزما ہوں گے جس طرح کہ وہ برطانوی حکومت سے لڑ رہے ہیں۔ کانگریس کے اندر دوسری جماعت چاہتی ہے کہ چھاپہ مار فوجی دستے تیار کر کے تشدد کے ذریعہ حملہ آور کا مقابلہ کیا جائے۔ پنڈت نہرو اور مسٹر راجگوپال آچاریہ آخر الذکر کے حامی ہیں۔ یہ دونوں نقطۂ نظر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے میں جو بمقام الہ آباد منعقد ہو رہا ہے پیش کئے جائیں گے جیسا کہ مسٹر ... نے کہا ہے اس وقت پنڈت نہرو کانگریس کا قلب و دماغ اور اس کی روح رواں ہیں اس لئے بجا طور پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جنگ سے متعلق ان کے حالیہ بیانات کانگریس کے اندرونی حلقوں کی آواز ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سامراجی جنگ سے متعلق "ہاں" "مگر" "نہیں" کی پالیسی ترک کر کے کسی مثبت پالیسی کا اعلان کرے اور سامراجی جنگ میں کامل تعاون پر آمادہ ہو جائے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو ایک اور اہم سیاسی مسئلہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مقننۂ مدراس کے کانگریسی ارکان کے ایک جلسے میں مسٹر راجگوپال آچاریہ نے ایک قرارداد پیش کی ہے کہ:۔

"مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم ہند کو تسلیم کر لیا جائے۔ اگر ہندوستان کی دستورسازی کے وقت اس کی ضرورت پیش آئے۔ اور اگر اس امر پر زور دیا جائے تو مسلم لیگ سے باہمی سمجھوتہ کر لینا چاہئے تاکہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہو سکے اور موجودہ نازک صورت حال کا مقابلہ یہ قومی حکومت بخوبی کر سکے۔"

یہ قرارداد منظور ہونے کے بعد مسٹر راجگوپال آچاریہ نے اس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے غور و خوض کیلئے روانہ کر دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ... ہندوستان کے مختلف عناصر میں ہم آہنگی اور اتحاد قائم کر کے ... [illegible] ... خوش آئند نہیں ہو سکتی ... [illegible] ... کانگریس کے ... [illegible] ... یہ دیکھنا ہے کہ ... [illegible] ... کس طرح پوری اترتی ہے۔

پبلک کارکنوں کے مشاغل

مجلس عاملہ کرناٹک کانفرنس کے سالانہ انتخابات عمل میں آئے۔ مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۲۲ خورداد کو بلدہ حیدرآباد میں منعقد ہوگا۔ جس میں کانفرنس کے آئندہ پروگرام پر غور کیا جائے گا۔

ہندو پرچار منڈل حیدرآباد نے طے کیا ہے کہ تیر کے ہفتہ اول میں بمقام بلدہ حیدرآباد آندھرا ہندو کانفرنس منعقد کی جائے۔

ہندو پرچار منڈل نے یہ قرارداد منظور کی ہے کہ بلحاظ تہذیب و تمدن ریاست حیدرآباد کے باشندے برطانوی ہند کے علاقہ جات کرناٹک، مہاراشٹرا، اور آندھرا سے یگانگت حاصل رکھتے ہیں۔ رعایا کو تعلیمی آزادی دینا اسی وقت تصور کیا جائے گا جبکہ کسی بھی وجہ سے مدارس اور کالجوں کو ذریعہ تعلیم ملکی رکھ کر کھولنے کی آزادی حاصل رہے اور ان مدارس و کالجوں کا تعلق حسب مرضی و حالات بیرونی یونیورسٹیوں سے رکھ سکیں۔

سوامی رامانند تیرتھ نے اپنی صدارت میں پبلک والنٹیر بریگیڈ قائم کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک صحافتی بیان بھی جاری کیا ہے۔

کرناٹک کانفرنس نے ہندوؤں کے لئے ایک اسکیم مرتب کی ہے جس کے تحت شوراپور کے ایک تعلقہ کبھاوی میں کرگھا کا مرکز قائم ہوگا۔

آندھرا کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد کے ذریعہ اعلان کیا ہے کہ مجوزہ ضلع واری کانفرنسیں مفاد ملک کے خلاف ہے اس لئے اہل ملک اس میں حصہ نہ لیں۔

انجمن اتحاد طلبائے پست اقوام حیدرآباد کی پہلی سالانہ کانفرنس مسٹر بی وینکٹ راؤ کی صدارت میں بتاریخ ۱۹ر خورداد آدی ہندو بھون چادر گھاٹ میں منعقد ہوئی۔

ہندی پرچار منڈل کی جانب سے ایک وفد پنڈت رام چندر جی صاحب وکیل کی قیادت میں معتمد صاحب عدالت و امور عامہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ وفد نے ہندی کانفرنس کے انعقاد اور مدارس میں ہندی کی تعلیم سے متعلق مطالبات پیش کئے۔

پنڈت کاشی ناتھ راؤ ویدیہ اسسٹنٹ پبلیسٹی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے جو بمقام وردھا منعقد ہونے والا ہے تشریف لے گئے۔

آندھرا کانفرنس اس امر پر غور کر رہی ہے کہ حکومت سرکار عالی کی اے۔ آر۔ پی۔ اسکیم سے تعاون کرنے کے لئے تمام شاخ ہائے کانفرنس کے نام گشتی جاری کی جائے۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر جو جلسہ میلاد کی صدارت کے لئے اورنگ آباد تشریف لے گئے تھے بلدہ واپس آگئے۔

مجلس اتحاد المسلمین شیلی الاوہ گلبرگہ کا ایک جلسہ عام ۸ر خورداد کو منعقد ہوا جس میں صدر اور مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آرہا ہے۔

اتحاد المسلمین جنگل گوڑہ کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا جس میں صدر مجلس محمد جناب خاں صاحب جمعدار کے انتقال پر اظہار رنج و ملال کیا گیا۔

مدارس خانگی کے قواعد میں ترمیم

اخبار "نوبھارت" کی دروغ بیانی

[خانگی مدارس کے قیام سے متعلق قواعد میں حکومت سرکار عالی نے چند ترمیمات کی ہیں جو ایک پریس نوٹ کے ذریعہ شائع ہو چکے ہیں۔ اس خبر کو ناگپور کے روزنامہ ہندی اخبار "نوبھارت" نے جس رنگ آمیزی کے ساتھ شائع کیا ہے وہ دروغ بیانی میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اس خبر کا ترجمہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ "مملکت"]

ہندو سیول لبرٹیز یونین کی جانب سے آج ستیاگرہ شروع ہونے والا تھا۔ لیکن حکومت نے حال ہی میں کسی قدر تعلیمی آزادی عطا کی ہے جو یونین کے متعدد مطالبات میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ نواب صاحب چھتاری اور ہز اکسلنسی وائسرائے نے بھی یونین کے مطالبات پر غور کرنیکا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے ستیاگرہ شروع نہیں کیا گیا اور جلوس بھی نہیں نکالا گیا۔ صرف چند پمفلٹ جس میں مندرجہ بالا خبر درج تھی جلسہ میں تقسیم کئے گئے۔

قرارداد مدراس کا خیر مقدم

مسٹر ایم۔ این۔ رائے کا بیان

مسٹر ایم۔ این۔ رائے نے صحافت کے نام ایک بیان جاری کیا ہے جس کے دوران میں وہ لکھتے ہیں کہ مدراس کی کانگریسی جماعت مجلس مقننہ کی قرارداد کا میں بخلوص دل خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاری اپنے اس نیک اقدام پر نہ صرف ثابت قدم رہیں گے بلکہ دلائل سے معترضین کو اپنا ہمنوا بنالیں گے۔ یہ ممکن ہے کہ مجلس عاملہ میں ان کے خیال کی بہت ہی کم تائید ہو، اور ان کے وہ ذی اثر ساتھی جو بیجا مخالفت پر تلے ہوئے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل کانگریس کمیٹی کے سالانہ اجلاس میں اس قرارداد کی مخالفت کریں اور عاملہ کو کسی فیصلہ پر پہنچنے نہ دیں۔ کل ہند کانگریس کمیٹی کے گزشتہ اجلاس منعقدہ پونہ میں مسٹر سی راجگوپال اچاری کو ایک ایسی ہی صورت حال کا مقابلہ کرنا پڑا تھا جہاں مخالفت کے طوفان نے انکے عزائم کو پسپا کر دیا، شاید ان کو توقع تھی کہ اس درمیانی وقفہ میں صبر و سکون کے ساتھ وہ اپنے ساتھیوں کو راہ پر لائیں گے مگر ایسی امید افزا توقع بارآور نہ ہوئی۔ مجلس عاملہ کے حالیہ ہونے والے اجلاس میں بھی ان کو ایک تلخ تجربہ ہوا۔ ان مدارج سے گزرنے اور ان تجارب حاصل کرنے کے بعد ان کو چاہئے کہ پورے عزم سے قدم اٹھائیں۔ چاہے اس کے نتیجہ کے طور پر ان کو اپنی جماعت سے علحدہ ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

اس میں کلام نہیں کہ ماتحتی قریب سے ان کا یہی رجحان رہا ہے اور حقیقت میں ملک کی خدمت جماعت کی خدمت سے زیادہ اہم ہے اور یہی وہ اصول ہے جس نے میری بڑی رہنمائی کی۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاری بھی اسی اصول پر عامل ہوں گے اور کسی تردد نہ کریں گے۔ جب تمام ملک اور ساری دنیا کی قسمت ترازو میں تل رہی ہے۔ جماعتی اطاعت یا شخصی وفاداریوں کو گھٹ جانا چاہئے۔ ہمارے ملک کے لئے وہ دن یقیناً یوم عید ہوگا۔ اگر مسٹر آچاری کل ہند کانگریس کمیٹی کو اپنی اس تجویز پر عمل پیرا کرسکیں گے۔ اگر وہ ناکام ہو جائیں تو نہیں چاہئے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے آزادانہ کام کریں اپنے اصول کی رہنمائی میں جس پر میں عرصہ دراز سے چل رہا ہوں۔ مسٹر راجگوپال اچاری کی کامیابی اور ان کے عزم و استقلال کی دعا کرتا ہوں۔

تمدن انسانی کا انتشار

از

جناب ڈاکٹر عبدالحمید قاضی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

بسلسلہ گزشتہ

اس قومی تفوق اور نسلی برتری کے خیال نے اقوام میں شہنشاہیت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ ہر قوم تمام کرۂ ارضی کو اپنے قبضہ و تسلط میں دیکھنا چاہتی ہے۔ جس کا نتیجہ آج کل کی ہیبت ناک جنگ کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ برطانیہ اور فرانس نے آج سے دو صدی قبل ہی دنیا کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ آسٹریلیا، نیوزیلینڈ، ہندوستان، جنوبی افریقہ، کینیڈا، مصر وغیرہ سب انگریزوں کے زیر فرمان ہیں اور اب تو اس میں فلسطین، شام، عراق اور ایران کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح مراکش، ٹیونس، جینی، ہند وغیرہ پر فرانس کا تسلط ہو گیا تھا۔ جرمنی اور اٹلی میں قومی حکومتیں انگلستان اور فرانس کے بعد قائم ہوئیں اور ان میں شہنشاہیت کا جذبہ بھی ان اقوام کے بعد ہی پیدا ہوا لیکن یہ نوجوان قومیں اب اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں، جس قدر کہ پرانی اقوام۔ اس لئے اب وہ دنیا کی اس لوٹ میں اپنا بھی حصہ طلب کر رہی ہیں۔ جاپان مشرقی قوم ہونے کے باوجود بھی مغربی اقوام سے مشرق پر قبضہ حاصل کرنے میں پیچھے رہ گیا تھا اس لئے اب وہ اس کی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ غرض کہ شہنشاہیت کے جذبے نے دنیا کی ان طاقتور قوموں کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کر دیا ہے اور انسانیت کی قسمت کو تاریک بنا دیا ہے۔

مشرقی اقوام خصوصاً ہندوستان اور اسلامی ممالک آج کل اسی شہنشاہیت کا شکار ہیں۔ مراکش پر اسپین قابض ہے، تیونس پر فرانس، طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہے تو مصر، فلسطین پر انگریز، چنانچہ اس کے علاوہ شام، عراق پر اور ایران پر انگریزوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ چین کے بڑے بڑے حصوں کو جاپان نے ہضم کر لیا ہے اور مغرب کی بیشتر زمین اب جرمنی کی تابع فرمان ہو چکی ہیں۔ مشرقی اقوام بیشتر کمزور ہیں اس لئے وہ خود اپنی بھی مدافعت نہیں کر سکتی ہیں۔ صرف ترکی ایک طاقتور قوم ہے جو اب تک جرمنی اور انگلستان کے درمیان خود کو بچائے ہوئے ہے اور دنیا کو امن کا سبق دے رہا ہے۔ لیکن ترکی بھی اپنی اس غیر جانبداری کو کب تک ان دو حریفوں کے درمیان بچا سکے گا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ صرف مستقبل ہی کر سکتا ہے۔ جن مشرقی اقوام نے کسی قدر اپنی آزادی کو محفوظ رکھا ہے مثلاً چین و ترکی انہوں نے بہت حد تک یورپ کی تقلید کی [illegible] جنگ کی [illegible]

جمعیت اقوام

قوموں کی داخلی زندگی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں طبقاتی جنگ جاری ہے اور ان کی خارجی بین الاقوامی زندگی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک عجیب انتشار ہے۔ کوئی بین الاقوامی قانون موجود نہیں ہے اور اگر کسی قدر اور اس موجود بھی ہے تو اس کی کوئی قوم پرواہ نہیں کرتی۔ جمعیۃ الاقوام جو گزشتہ جنگ عظیم کے بعد قائم ہوئی تھی اس نے خود اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہے۔ اس کے بانی پریزیڈنٹ ولسن چاہے کسی قدر بھی نیک نیت کیوں نہ ہوں لیکن پرانی دنیا کے سیاستدانوں لائڈ جارج اور کلیمنشو کے سامنے ان کی کچھ بھی نہ چل سکی۔ جمعیۃ الاقوام بجائے اس کے کہ صحیح معنوں میں جمعیۃ الاقوام ہوتی جو مساوی طور پر سب کے ساتھ سلوک کرتی بڑی طاقتوں اور خصوصاً برطانیہ اور فرانس کا آلۂ کار ہو کر رہ گئی۔ امریکہ نے خود اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور بالآخر جرمنی جاپان اور اطالیہ بھی اس سے علیحدہ ہو گئے۔ جب اطالیہ نے حبش پر حملہ کیا تو وہ خاموش رہی۔ جاپان نے جب چین کو ہضم کرنا شروع کیا تو اسے جنبش نہ ہوئی۔ بھلا ایسی جمعیۃ الاقوام کی پھر کس طرح دنیا کی نظروں میں عزت ہوتی اس لئے وہ ختم ہو گئی۔ ایک بین الاقوامی ادارہ کا جو تمام اقوام سے برتر ہو اس نے تصور پیش کیا لیکن دنیا کی نفسی حالات ابھی اس قابل نہ تھی کہ اس تصور کو قبول کرے۔ پھر بڑی طاقتوں نے جو اس پر حاوی تھیں کبھی بھی اس کو صحیح معنوں میں ایک انصاف پسند جمعیۃ نہ ہونے دیا۔

قومی زندگی میں معاشی کشمکش کیوں ہے؟ اس میں مختلف طبقات کیوں موجود ہیں؟ اس کی نفسیاتی تشریح بھی گزشتہ فصل میں بتا چکے ہیں۔ ہم کہہ چکے تھے کہ انسانیت اپنے عہد طفولیت میں بیشتر شکاری تھی اور زمین کی کاشت کے ساتھ ملکیت کا جذبہ لازمی طور پر وابستہ ہوتا ہے۔ اسی باعث ملکیت اور حصول دولت کا جذبہ جبلی طور پر انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اسی جذبہ کی زیادتی کے باعث سرمایہ داری پیدا ہوتی ہے۔ جیسے جارحانہ قومیت اور شہنشاہیت کی بھی ایک نفسیاتی تشریح ہے۔ وہ یہ کہ انسان اوائل ایام میں شکاری بھی تھا۔ وہ جانوروں کو مارتا اور اپنا پیٹ بھرتا تھا۔ شکاری کسان کے مقابلہ میں کم کام کرتا تھا۔ وہ کسی خاص ماحول اور زمین سے اس قدر وابستہ نہ تھا۔ اس میں زیادہ جلادت اور ہمت پائی جاتی تھی۔ یہ اپنے لئے رزق زیادہ محنت سے نہیں بلکہ اپنی ہوشیاری، چالاکی اور بہادری سے کماتا تھا۔ یہ طبقہ تعداد میں اس قدر زیادہ نہ تھا جس قدر کہ کاشتکار۔ شکار کی یہ جبلت اب تک انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ بڑی بہادری اور چالاکی سے دوسروں پر حاکم ہو جاتے ہیں اور ان سے اپنے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جدید علاقوں میں یہ لوگ حکومت کے ارباب حل و عقد بن جاتے ہیں اور اپنے اقتدار اور اعزاز کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے قوموں اور ملکوں کو جنگ میں دھکیل دیتے ہیں۔ اور اپنے اقتدار اور اعزاز کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے قوموں اور ملکوں کو جنگ میں دھکیل دیتے ہیں۔ خونخوار شہنشاہیت کا نمائندہ انسانوں کا وہ طبقہ ہے جو نفسیاتی اعتبار سے اب تک شکاری ہے۔ البتہ اب یہ شکار صرف جانوروں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کو بے گناہ اور مظلوم انسانوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔

جارحانہ قومیت

جارحانہ قومیت جس کا لازمی نتیجہ شہنشاہیت ہوتا ہے انسانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس جذبہ نے مغربی اقوام میں مذہب، اخلاق اور انسانیت کے تمام محرکات کو کمزور کر کے دنیا پر تسلط جما لیا ہے۔ شہنشاہیت کے جذبے کی سب سے بڑی اقوام عہد جدید میں فرانس اور برطانیہ ہیں۔ فسطائیت بھی جارحانہ قومیت ہی کا نتیجہ ہے جس میں نسلی برتری کا خیال قومی برتری کے خیال سے ساتھ آ ملا ہے۔ یہ تحریک انسانیت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ یہ انسانوں اور قوموں کی مساویانہ حیثیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس تحریک کے سب سے بڑے نمائندے جرمنی، اٹلی اور جاپان ہیں۔ شہنشاہیت اور فسطائیت نے خونخوار انسانیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور انسانیت کی بین الاقوامی زندگی میں وہ انتشار پیدا کر دیا ہے جس کا رفع ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ روس نے اپنی نئی زندگی کی ابتدا ایک بین الاقوامی نصب العین سے کی تھی مگر اسٹالن کے زمانہ میں بہت جلد اس نے بھی ایک قومی رنگ اختیار کر لیا اور اس جنگ میں پولینڈ پر قبضہ کر کے اور فنلینڈ پر چڑھائی کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بھی دوسری جارحانہ اقوام سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

انسان کی معاشی اور سیاسی زندگی کے علاوہ اگر ہم اس کی تعلیمی، ادبی، اخلاقی اور مذہبی زندگی پر بھی ایک نظر ڈالیں تو وہاں بھی ہمیں ایک عجیب قسم کی بے ہنگامی دکھائی دیتی ہے۔ وسیع معنوں میں ہم انسان کی تعلیمی، ادبی، سیاسی، اخلاقی اور زندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس تعلیمی زندگی کا نمائندہ معلم ہے۔ معلم بھی اس وقت اسی خلفشار میں پھنسا ہوا ہے جس میں کہ عام طور پر تمام انسانیت۔ لیکن نئی زندگی کے جو کچھ بھی آثار دکھائی دیتے ہیں اس کی بہرحال نمائندہ یہی معلم کی ذات ہے اور انسانیت کے مستقبل کی اگر کوئی راہ نمائی کر سکتا ہے تو وہ صرف معلم ہے۔ معلم سے ہمارا مفہوم صرف وہ نہیں ہیں جو مدرسوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں بلکہ اس تصور میں تمام مدرسین، قانون دان، معلمین اخلاق، قومی رہنما اور مذہبی پیشوا شامل ہیں۔ انسانیت کے عہد طفلی ہی سے معلم کاشتکار اور شکاری کے دوش بدوش زندگی کی جدوجہد میں مصروف عمل رہا ہے۔ ہندوستان میں برہمن اس کام کو انجام دیتا رہا۔ یونان میں پولیٹ طبقہ موجود رہا۔ افلاطون نے اپنی مشہور عالم کتاب جمہوریت میں غور کیا اور جس نے یہ خیال پیش کیا کہ حکومت [illegible]

(بقیہ صفحہ [illegible])

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ہفتہ گزشتہ کی اہم خبر یہ ہے کہ اے ۔ آر ۔ پی ۔ کے امتحان میں نواب مانڈور خاں نے بدرجۂ اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔

(نامہ نگار خصوصی)

مقننہ مدراس کے کانگریسی ارکان نے مسٹر راجگوپال چاری کی حسب ذیل قرارداد منظور کی ۔

"اس وقت موجودہ صورت حال کی نزاکت کے مد نظر یہ بہت ضروری ہے کہ فوری قومی حکومت کا قیام عمل میں آئے ...... مسلم لیگ کے مطالبۂ تقسیم ہند کو تسلیم کر لینا چاہئے اگر ہندوستان کی دستور سازی کے وقت اس کی ضرورت پیش آئے اور اگر اس پر زور دیا جائے تو مسلم لیگ سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے ۔"

ہمیں اندیشہ ہے کہ پنڈت جواہرلال نہرو کہیں مسٹر راجگوپال چاری کو بھی "پاگل ، بدمعاش ، احمق" نہ کہہ دیں ۔ خیر اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ حیدرآباد کے باہر کون کیا کہتا ہے ۔ فی الحال ہم کو معاصر "رعیت" کی بے چینی اور اضطراب سے پوری ہمدردی ہے ۔

"اگر تم کو اتنی فرصت نہیں کہ مسائل کے تمام ماعلیہ و مالہٗ پر نظر ڈال سکو تو خدا کے لئے ان پر بھروسہ کرو جن کا مقصد حیات تمہاری فلاح کے سوا کچھ نہیں ہے ۔" (قائد ملت)

جنہیں فرصت نہیں اور جو مسائل سے واقف بھی نہیں وہ تو ہمیشہ لیڈروں پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ اور جنہیں فرصت ہے اور جو مسائل کے "ماعلیہ و مالہٗ" پر نظر ڈال سکتے ہیں ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر مہر لگانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے ایسے لوگ اب صرف خدا پر بھروسہ کر رہے ہیں ۔ جی ہاں !

مدراس کا فوری خطرہ دور ہو گیا ۔ (ایک سرخی)

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ حیدرآباد کی مجلس بلدیہ میں اے ۔ آر ۔ پی ۔ سے متعلق قرارداد کا تصفیہ اب تک کیوں نہیں ہوا ۔ جب خطرہ قریب تھا قرارداد پیش کی گئی ۔ جب خطرہ دور ہو گیا اسی قرارداد کو ایک تفریحی مشغلہ بنا لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو یقین بھی دلایا گیا کہ مجلس شہر حفاظتی تدابیر سے غافل نہیں ہے تا کہ مستعد رہے اور انتخابات کے وقت کام آئے ۔

پنڈت جواہرلال نہرو اپنی ایک نشری تقریر میں کہتے ہیں :-

"میں نے ماضی میں بیرونی اثرات کبھی قبول نہیں کئے ۔"

ہٹلر کی روح ایک عرصے سے آپ میں حلول کئے ہوئے ہے ۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اثرات بیرونی ہیں ؟

"ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس نیز کانگریسی خیالات رکھنے والے دیگر اداروں کے لیڈروں نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ حکومت برطانیہ سے گفت و شنید میں کامیابی نہ ہونے کے باوجود اہل ہند جاپانیوں کا ساتھ نہ دیں گے چنانچہ پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی کلکتہ والی تقریر میں اہل ہند کی پوزیشن صاف کر دی ۔ موصوف نے فرمایا کہ ، ایک ایسے حملہ آور کے خلاف جو ہندوستان پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے مقابلے کی اسپرٹ پیدا کریں ۔ کیونکہ کوئی بیرونی فوج جو اندر داخل ہو سکتی ہے اس امر کی کوشش کرے گی کہ وہ ہندوستان میں اپنے لئے ایک گھر بنائے ۔ اور اگر ایک بار انہوں نے اپنے قدم جمالئے تو ان سے دوچار ہونا اور ان کو نکال دینا ممکن نہ ہوگا ۔ نفسیاتی حیثیت سے یہ امر ناپسندیدہ ہے کہ ہم یہ خیال کریں کہ ایک بیرونی فوج ہمیں آزادی دے گی ۔ یہ ایک کمزور قوم کا نقطۂ نظر ہے ۔ یہ غلاموں کا نقطۂ نظر ہے کہ ایسا سمجھیں کہ ایک حملہ آور فوج ملک کو آزاد کر دے گی ۔" یہ وہ نظریہ ہے جس کو ہندوستان کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے خیالات اور جذبات کا عکس کہا جا سکتا ہے ۔" (رعیت)

اس اداریہ کو پڑھ کر ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ جس وقت پنڈت جواہرلال نہرو یہ فرما رہے تھے کہ جب تک ہندوستان کو کامل آزادی حاصل نہ ہو جب تک عنان اقتدار بالکلیہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں نہ آ جائے ، اور جب تک ایک کامل قومی حکومت قائم نہ ہو جائے ہندوستان کی مدافعت ممکن نہیں ، معاصر "رعیت" بھی پنڈت جی کی تائید میں اداریہ پر اداریہ تحریر کئے جا رہا تھا اور ہر روز یہ نعرہ لگا رہا تھا کہ جب تک کامل آزادی نہ ملے مدافعت ممکن نہیں ۔ لیکن جب سر اسٹافورڈ کرپس کی واپسی کے بعد سے پنڈت نہرو نے سیاسی قلابازی لگا کر اپنا نعرۂ جنگ بدل دیا ۔ اور ہندوستانیوں کو حالانکہ ابھی آزادی حاصل نہیں ہوئی ہے اوطن کی مدافعت کے لئے تیار ہونے کی دعوت دینی شروع کر دی تو معاصر "رعیت" نے بھی پنڈت جی کی آواز میں آواز ملا دی اور حیدرآباد میں بیٹھ کر خود بھی قلابازی لگانا شروع کر دیا ۔ کیا بات ہے کہ معاصر موصوف جب سوچتا ہے پنڈت نہرو کے دماغ سے سوچتا ہے ؟

ہم نے اپنے دوست کو سمجھایا کہ بھائی ہمارے معاصر کو پنڈت نہرو سے اتنی عقیدت اور وارفتگی ہے کہ "من تو شدم تو من شدی" کی نوبت آ گئی ہے ۔ مگر ہمارے دوست اس توجیہ سے مطمئن نہیں ہوئے اور کچھ سوچتے ہوئے اقبال کا یہ شعر پڑھنے لگے ۔

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی ؟

اس پُرخطر زمانہ میں جو وفادار حیدرآبادی کا فرض ہے کہ تخت و تاج آصفی اور اپنے قومی اقتدار کی حفاظت و بقا کے لئے دار السلطنت میں رہ کر اپنے عزم و استقلال کا ثبوت دے ۔ (مجلس عاملہ اتحاد المسلمین)

قومی اقتدار ؟ تنقید غیر ضروری ہے ۔

کوتلا پور کے اطراف ہیضہ پھیلا ہوا ہے اس لئے کوتلا پور میں منعقد ہونے والی جاترا کو صرف مقامی طور پر منانے کی اجازت دی گئی ہے ۔ بیرونی مقامات کے لوگ اس جاترا میں شرکت کی کوشش نہ کریں ۔ (ایک اعلان)

پرجا منڈل کو اس اعلان سے سخت اختلاف ہے ۔ اختلاف کیوں نہ ہوتا وہ مذہب میں اس طرح کی مداخلت کون گوارا کر سکتا ہے ۔ سنا جا رہا ہے کہ پرجا منڈل والے سرکار بہادر کی خدمت میں ایک یادداشت روانہ کر رہی ہے جس میں بتلایا جائے گا کہ کوتلا پور میں حکومت سرکار عالی ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کا گلا گھونٹ رہی ہے ۔

کھادی اس ملک کے لئے نہایت ضروری ہے کیوں کہ کھادی ہی کی بنیادوں پر ہندوستان کی تعمیر ہو سکتی ہے ۔

(مسٹر سراج الحسن ترمذی)

ہم اس خیال کی پر زور تردید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مسٹر ترمذی مکان پر اور پبلک جلسوں میں کھادی پہنتے ہیں اور ولایتی کپڑے کا سوٹ پہن کر عدالت جاتے ہیں ۔

عہدناموں کے ساتھ ہٹلر کا سلوک

(آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سلسلہ بین الاقوامی مسائل پر مختلف چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کئے ہیں۔ ان میں سے بعض رسالوں کا ترجمہ اردو میں بھی شائع ہوا ہے۔ "جنگ اور عہدنامے" کے عنوان سے لیورپول یونیورسٹی کے وائس چانسلر آرنلڈ ڈی میک نیر نے ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے)

عہدنامے کے بارے میں ہٹلر کا جو تصور ہے اس کی مثال راوشننگ کی کتاب "جرمنی کا تباہ کن انقلاب" سے ملتی ہے جس کے اقتباسات سر نویل ہنڈرسن نے اپنی کتاب "ایک مشن کی ناکامی" میں لئے ہیں اور خود اپنے تجربات و تجربوں سے ان کی تصدیق بھی کی ہے۔ بقول ان کے "ہٹلر ہر چیز پر دستخط کرنے تیار رہتا تھا۔ وہ ہر سرحد کی ضمانت کرنے اور ہر ملک کے ساتھ پیمان عدم اقدام جارحانہ کرنے کے لئے مستعد تھا۔" ہٹلر کی رائے ہے:-

"کوئی بیوقوف ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ چونکہ ایک نہ ایک دن کسی باضابطہ اقرار کو توڑنا ہی پڑتا ہے اس لئے اس قسم کے معاملات (یعنی عہدنامے) سے کام نہ لینا چاہئے۔ جلد یا بدیر ہر حلیف معاہدہ یا توڑ دیا جاتا ہے یا بر وقت ناکارہ ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو بعد میں خاص اسی غرض کو معاہدہ کرتا ہے اور صورت حال کیسی ہے معاہدہ کرتے وقت اپنے ضمیر کے کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ معاہدہ پر قائم بھی رہ سکتا ہو یا نہیں۔ وہ قطعاً احمق ہے۔ وہ ہر معاہدہ کرنے کو تیار تھا اور ساتھ ہی اگر جرمنی کے آئندہ فوائد کے لئے اس کا توڑنا ضروری ہو تو دوسرے ہی دن کمال بیدردی سے اسے توڑنے پر بھی آمادہ تھا۔"

ہٹلر کی ان شرمناک چالوں کی جملہ مثالیں بیان کرنے سے شاید ہمارے سامعین اکتا جائیں اس لئے ہم صرف ان ہی چند پر اکتفا کرتے ہیں جو مشہور عالم اور عام آشکارا ہیں۔

(الف) بحری معاہدہ۔

۱۸۔ جون ۱۹۳۵ء کو برطانیہ اور جرمنی نے ایک بحری معاہدہ کیا ہے ایک مستقل اور قطعی معاہدہ کہا گیا تھا۔ اور جس کی رو سے دونوں ملکوں کے لئے خاص خاص قسم کے جہازوں کے وزن کا ایک تناسب قائم کر دیا گیا تھا جرمنی نے ۲۸۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو یہ معاہدہ منسوخ کر دیا۔

(ب) آسٹریا۔

۱۱۔ جولائی ۱۹۳۶ء کو آسٹریا اور جرمنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی ایک دفعہ یہ تھی:-

"اس یقین کے ساتھ کہ وہ قیام امن کے بارے میں سارے یورپ کی ترقی میں ایک اہم حصہ لے رہے ہیں اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ اس طرح دونوں جرمانی مملکتوں کے بے شمار باہمی مفادات کی خدمت کر رہے ہیں مملکت وفاقیہ آسٹریا اور جرمنی کی حکومتوں نے معمولی دوستانہ مراسم کی بحالی کا تصفیہ کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ اقرار کیا جاتا ہے کہ:-

(۱) جرمنی کے فیوہرر (قائد) اور چانسلر کے بیانات مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۳۵ء کے منشاء کے بموجب حکومت جرمنی مملکت وفاقیہ آسٹریا کے کامل اقتدار کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) دونوں حکومتوں میں سے ہر ایک دوسرے کے متداولہ داخلی سیاسی نظام کو (جس میں آسٹریا کی نازی اشتراکیت کا مسئلہ بھی شامل ہے) اس ملک کا اندرونی مسئلہ تسلیم کرتی ہے جس پر وہ بالواسطہ یا براہ راست اثر انداز نہ ہوگی۔

(۳) حکومت وفاقیہ آسٹریا اپنی عمومی پالیسی میں خصوصاً جرمنی کے ساتھ اپنی پالیسی میں ان اہم اصولوں کو ملحوظ رکھے گی جو اس واقعہ سے مستنبط ہوتے ہیں کہ آسٹریا اپنے کو ایک جرمانی مملکت تصور کرتی ہے۔"

لیکن یہ عہدنامہ بھی مارچ ۱۹۳۸ء میں آسٹریا پر حملہ کرنے اور آسے اپنے قبضہ میں لے لینے سے جرمنی کو باز نہ رکھ سکا۔

(ج) پولینڈ۔

۲۶۔ جنوری ۱۹۳۴ء کو جرمنی اور پولینڈ نے ایک اعلان پر دستخط کئے جس میں حسب ذیل دفعہ بھی تھی:-

"اگر فریقین میں کوئی نزاع پیدا ہو اور براہ راست گفت و شنید سے اس کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے تو فریقین ہر صورت خاص میں باہمی مفاہمت کی بنا پر دوسرے پر امن ذرائع سے اس کا حل تلاش کریں گے بشرطیکہ اس سے اس غرض کے لئے حسب ضرورت استعمال میں کوئی مانع نہ پیدا ہو جس میں ان کے مابین دیگر معاہدوں میں ایسی صورتوں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کسی صورت میں بھی فریقین اپنے نزاعی امور کے تصفیہ کے لئے قوت کا استعمال نہ کریں گے۔

ان اصولوں سے امن کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ دونوں حکومتوں کے اس عظیم الشان مقصد میں مدد و معاون ہوگی کہ وہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نوعیت کے مسائل کا ایسا حل تلاش کریں جو دونوں کے مفاد کی منصفانہ اور عاقلانہ مطابقت پر مبنی ہو۔"

۲۸۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے پولینڈ کے خلاف کارروائی کا میدان صاف کرنے کے لئے اس معاہدہ کو منسوخ کر دیا اور برطانیہ نے پولینڈ کو جو ضمانت ۳۱۔ مارچ ۱۹۳۹ء کو دی تھی اس کو اپنی کارروائی کے لئے بہانہ بنایا۔

(د) ڈنمارک۔ ۳۱۔ مئی ۱۹۳۹ء کو جرمنی اور ڈنمارک نے پیمان عدم اقدام جارحانہ پر دستخط کئے۔ جرمنی نے اس معاہدہ کو منسوخ قرار دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور اپریل ۱۹۴۰ء میں ڈنمارک پر حملہ کر دیا۔

(ھ) معاہدات ہیگ۔

جنگی کارروائی کرنے اور غیر جانبدار مملکتوں کے حقوق و فرائض سے متعلق ہیگ کے معاہدات کی جو خلاف ورزی جرمنی نے خود بھی ایک فریق معاہدہ تھا جنگ کے آغاز سے لے کر اب تک کی ہے اس کا بیان کرنا خالی از طوالت نہیں۔ اس خلاف ورزی کی سب سے بین مثال جرمنی کا اپنی آبدوزوں کے ذریعہ سے اتحادیوں اور غیر جانبداروں کے تجارتی جہازوں کا ڈبونا ہے جو معاہدہ لندن ۱۹۳۰ء جس میں جرمنی بھی فریق تھا صریحاً خلاف ہے۔ اس عہدنامہ کی رو سے آبدوزوں کو بھی بین الاقوامی قانون کے انہی مسلمہ قواعد کا پابند قرار دیا گیا تھا جن کا اطلاق سطحی جہازوں پر ہوتا ہے خصوصاً یہ قاعدہ کہ "ہم بجز ایسی صورت کے جب کہ کوئی جہاز حکم مل جانے کے باوجود رکنے سے مسلسل انکار کرے یا دیکھنے یا تلاشی دینے کی عملی مقاومت کرے کوئی جنگی جہاز خواہ وہ آبدوز ہو یا سطحی اس کا مجاز نہ ہوگا کہ وہ کسی تجارتی جہاز کو اس کے مسافرین، ملاحوں اور جہازی کاغذات کو کسی حفاظت کے مقام تک پہونچائے بغیر ڈبو دے یا اسے جہازرانی کے ناقابل بنا دے۔"

موجودہ جنگ کے پہلے ہفتہ ہی میں جہاز ایتھینیا کو ڈبو کر جرمنی نے ایسے جرائم کی ایک طویل فہرست کی ابتدا کر دی ہے اور اس کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ آخری جرمن آبدوز تباہ نہ ہو جائے۔

اشتہار حاضری بوقت مقام جگہ عدالت ضلع کریم نگر

نمبر مقدمہ ۔۔۔ بابتہ ۔۔۔

باجلاس مولوی میر احمد علی خاں ایم۔ اے۔ ال ال بی علیگ ال ال بی۔ ال ال ایم لندن بیرسٹر ایٹ لا ناظم ضلع۔

سیٹھ سکندر داس — دعویٰ۔ تعمیل ڈگری

بنام

گرال ونکٹ ریڈی ولد نرسمہا ریڈی قوم ریڈی عمر ۔۔ سال پیشہ مکھیہ ساکن ۔۔۔ تعلقہ کریم نگر۔

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ صدر میں تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا کئے گئے مگر اب تک تمہاری ذات پر سمن کی تعمیل نہیں ہوئی ڈگری دار کی خواہش ہے کہ ذریعہ اشتہار اطلاع دیجائے لہذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ امرداد ۱۳۴۸ف روز چہارشنبہ وقت ۱۰ ساعت اس عدالت میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر جواب دہی مقدمہ کرو بصورت ثانی تمہارے خلاف کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی۔

آج بتاریخ ۱۵ خورداد ۱۳۴۸ف بدستخط میرے اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

دستخط منصرم — دستخط ناظم عدالت ضلع

تمدن انسانی کا انتشار

بقیہ صفحہ (۵) پر

تو تمام سلطنت بہترین ہو سکتی ہے۔ روسو سے کلیسا نے تو پادریوں کے ایک علیحدہ مستقل گروہ کو تسلیم کر کے مذہبی رہنمائی کا کام کلیساؤں کے سپرد کر دیا۔ بہر حال پادری پروہت، برہمن اور معلم کی نفسیاتی ساخت ایک ہی ہے اور یہ ہمیشہ سے انسانیت کی راہبری کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا یہ جذبہ بھی صنف انسانی کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے۔ اس طبقہ میں اس کام کے لئے نفسیاتی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر اصلاح انسانیت کی کسی طبقہ سے امید کی جا سکتی ہے تو وہ صرف یہی طبقہ ہے لیکن اس کی حالت بھی آج کل قابل اطمینان نہیں ہے۔

انسانیت کی فلاح

انسانیت کے تعلیمی نظاموں پر اگر نظر ڈالی جائے تو جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی تعلیم کا آج کل کوئی معین اور واضح مقصد ہی موجود نہیں ہے مختلف قومیں اپنے قومی محدود مقاصد نسلی برتری معاشی اور سیاسی اغراض وغیرہ کے لئے تعلیم دیتی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی بھی تعلیم نہیں دیتا۔ ہر قوم اپنے بچوں کو اس لئے تعلیم دیتی ہے کہ وہ ایک اچھا انگریز، جرمن، جاپانی، چینی بنے لیکن کوئی قوم اپنے بچوں کو اس لئے تعلیم نہیں دیتی کہ وہ ایک اچھا انسان بنے دنیا میں آج کل مقصد کے لئے انسان کی تربیت جاری ہے حتیٰ کہ اسے جوان بنانے کے لئے بھی لیکن اگر اس کی کسی چیز کے لئے تربیت نہیں کی جا رہی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ انسان بنے۔ انسانیت کا ایک واضح مقصد نہ ہونے کے باعث اس کے تعلیمی مقصد میں بھی ایک عجیب انتشار پایا جاتا ہے۔ انسان کے جسمانی، ذہنی، جمالی، اخلاقی اور مذہبی قویٰ کی ہم آہنگ تربیت نہیں ہو رہی ہے بلکہ بعض جگہ انسان کے صرف جسمانی قویٰ کی تربیت پر زور دیا جا رہا ہے تو بعض جگہ صرف اس کی ذہنی تربیت اس کی تمام دیگر صلاحیتوں کو قربان کر کے کی جا رہی ہے۔ پھر ذہنی تربیت بھی صحیح معنوں میں عقلی قویٰ کی مکمل نشو و نما نہیں ہے کیونکہ اس کی نشو و نما ہزاروں تعصبات کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ عقل کے ذریعہ ان تعصبات کا ابھارا جاتا ہے جن کو بنیاد کر اور اصل عقل کا سب سے اولین مقصد ہونا چاہئے۔ مثلاً عقل ہزار مرتبہ مابعد الطبیعاتی مسائل کے حل کرنے میں بیچارگی و درماندگی تسلیم کر چکی ہے لیکن آج تک بھی عقل کی منطقی نشو و نما کا یہی مقصد عام طور پر بتایا جاتا ہے کہ وہ ان تمام مابعد الطبیعاتی مسائل کو حل کرے اور صرف یہی کسوٹی پر ان مسائل کی نفی یا اثبات کیا جاتا ہے۔

اخلاقی تعلیم کا اثر آج کل کے نظامات تعلیم میں بہت کم ہو گیا ہے۔ ذہنی تعلیم پر جس قدر زور دیا جاتا ہے اس کا عشر عشیر بھی توجہ اخلاقی تعلیم پر نہیں دی جاتی۔ آج کل کی مغربی قومیں گو ذہنی اعتبار سے کافی بلند ہیں لیکن اخلاقی اعتبار سے بہت گھٹیا اور پست ہو گئی ہیں۔ مشرقی قومیں ذہنی اعتبار سے بہت کمتر ہیں اور اخلاقی اعتبار میں بھی فروتر ہیں گو اخلاق کے بلند ڈھنگ، عرب کی زبانوں پر اپنے مغربی بھائیوں کی بہ نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں۔

مدرسوں میں ضرورت سے زیادہ انسان کی انفرادی زندگی پر زور دیا جاتا ہے اس کو بہت حد تک خود غرضی، مطلب پرستی اور انسان دشمنی کی تعلیم دی جاتی ہے اس کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ ہر طریقہ سے دنیا میں مادی کامیابی کرے چاہے اس کامیابی کے حصول میں اسے کوئی طریقہ بھی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ پھر چونکہ سماج میں انسان کی اصلی ذہنی اخلاقی اور روحانی صلاحیت کی قدر نہیں کی جاتی بلکہ صرف مادی کامیابی کی توقیر کی جاتی ہے اس لئے مدارس اس معاملہ میں بالکل لاچار ہیں وہ سوائے اس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ اپنے بچوں کو بھی اسی معیار پر پورا اترنے کی کوشش کریں جو معیار کہ سوسائٹی ان سے طلب کی جاتی ہے۔ مدارس بہر حال اپنے آپ کو کلیتاً اپنے سماجی ماحول سے آزاد نہیں کر سکتے جب تک سماج میں بھی تبدیلی پیدا نہ ہو مدارس میں مکمل تبدیلی ہونا ناممکن ہے غرضکہ مدرسے اور سماج طلباء کو آپس میں نہیں سکھاتے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں بلکہ انہیں سکھاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حریف ہیں وہ انہیں آپس میں اشتراک اور تعاون کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ایک دوسرے کے کاٹنے کا سبق دیتا ہے محبت، الفت، اخوت اور انسانیت کے جذبات ابھارنے کی بجائے عموماً نفرت، عداوت، رقابت اور حیوانیت کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ مغرور مغربی اقوام تو اپنے بچوں کو یہ سکھاتی ہیں کہ دنیا کی دوسری اقوام مثلاً حبشی یا مشرقی اقوام کمتر درجہ کی ہیں۔ ہندوستان کی برہمن میں بھی غرور و نخوت کا مادہ کچھ کم نہیں پایا جاتا جو خود کو دنیا کی سب سے برگزیدہ قوم تصور کرتے ہیں اور دوسروں کو کچھ خیال کرتے ہیں یہ برہمن خود برہما کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے مقدس ہیں۔ ان کا مقدس جسم تو اچھوتوں کے سایہ پڑنے سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے اس قسم کے تصورات اخوت انسانی کی راہ میں سب سے زیادہ حائل ہیں۔ ہندوستان میں کروڑ ہا اچھوت اس نسلی برتری کا شکار ہیں۔ اور ہزار ہا برس سے نہایت ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انھیں اس بیسویں صدی میں بھی معمولی انسانی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ وہ بیچارے کنوؤں پر پانی نہیں بھر سکتے۔ وہ مدارس میں شریک نہیں ہو سکتے وہ مندروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کی جھولی میں پانی بھی دور سے ڈالا جاتا ہے۔ انسانیت کے اخلاقی نصب العین پر اس سے زیادہ اور کیا ضرب کاری لگائی جا سکتی ہے۔

انسان کی جمالی دنیا میں بھی اسی قسم کا خلفشار پایا جاتا ہے۔ ذوق حسن اور احساس جمال کی جگہ بوالہوسی اور شہوت پرستی نے لے لی ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

سینما تھیٹر، رقص خانوں، اور عام طور پر شہوت انگیز مناظر نے تو مغربی زندگی کو حیوانیت کی حد پر لا کر کھڑا کر دیا ہے مشرقی زندگی بھی کچھ مغرب سے مختلف نہیں ہے۔ وہاں جو مناظر سر عام ہیں یہاں وہ ریا کاری کے پردہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ جنسی آزادی کے باعث وہاں یہ تفننات فطری ہیں لیکن پردہ اور سماجی پابندیوں کے باعث ان تفننات کا اظہار مشرق میں غیر فطری ماحول میں بھی گر جاتا ہے۔ ایرانی اور اردو شاعری نے تو ان غیر فطری جذبات کو شاعرانہ رنگ میں رنگ دے کر اور بھی ان کو چڑھا دیا۔

مغرب میں جدید مصوری پست سطح پر اتر گئی ہے۔ جو مصوری کہ ایک اعلیٰ اخلاقی اور روحانی نصب العین کی نمائندہ تھی اب مقبول نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اب اس مصوری نے لے لی ہے جو انسان کے سفلی جذبات کو پیش کرتی ہے۔ ہیکل تراشی کی مصوری اور دوسرے فن کی تخلیق ہونے کے بھی یہاں اس قدر مقبول نہیں ہے جس قدر کہ وہ تصاویر جو انسان کے مادی حسن کو پیش کر کے اس کے شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔

نصب العین کا فقدان

تمدن انسانی کے انتشار کا لیکن سب سے بڑا اظہار اس کی مذہبی زندگی کی تخریب میں ہوا ہے۔ آج کل عام انسانیت کے پیش نظر کوئی ایسا بلند و بالا نصب العین موجود نہیں ہے جو اس کی زندگی کے مختلف شعبوں کو مربوط و ہم آہنگ کر کے ان کو ایک معنی اور مقصد دے سکے۔ الحاد و بے دینی کا غلبہ ہو چکا ہے جو اس کو نہ صرف اس دنیا سے بلکہ کل کائنات سے وابستہ کرتا ہے۔ الحاد و دہریت عام طور پر دنیا میں پھیل رہا ہے۔ خدا کے وجود پر لوگوں کا بہت کم یقین رہا ہے روس کی اشتراکی تحریک تو کھلم کھلا ایک مادی تحریک ہے جو نہ کائنات کے کسی روحانی نظام پر یقین رکھتی ہے اور نہ کسی خالق کائنات کو تسلیم کرتی ہے۔ اشتراکیت کا حکومت پر قبضہ ہونے کے باعث وہ حکومت کی رو سے بھی اپنے ان دہریانہ خیالات کو تمام ملکوں میں جاری کر رہی ہے وہاں ایک اینٹی گاڈ لیگ یعنی خدا دشمن پارٹی قائم ہے جو اپنے خیالات کی تبلیغ میں سرگرم ہے اور حکومت اس سوسائٹی کی پوری مدد کرتی ہے۔ یورپ کی دوسری اقوام میں مثلاً جرمنی، اطالیہ، برطانیہ اور امریکہ میں خدا کی ذات سے انکار تو نہیں کیا جاتا لیکن وہاں خدا سے بھی زیادہ قوم کی پرستش کی جاتی ہے گویا مذہب جسے انسانیت کے نصب العین کا حامل ہونا چاہئے قومی سیاست کا تابع فرمان بنا لیا گیا ہے اور اسے ہر جائز اور ناجائز قومی اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جاپان میں تو مذہب نے ایک عجیب قسم کی جارحانہ قومی شکل اختیار کر لی ہے وہاں کے بادشاہ کو نہ صرف خدا کا نمائندہ بلکہ تقریباً خدا تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے احکامات کی بلا چون و چرا اطاعت کی جاتی ہے اس اندھے یقین کی بنا پر جاپانیوں میں جنون وحشت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان کا جذبہ ایک انسانیت کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

ہندوستان میں مذہبی جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے لیکن اس جذبے نے یہاں ایک غلط راہ اختیار کر لی ہے بجائے اس کے کہ وہ باہم انسانوں کو متحد کرے جو اصل مذہب کا مقصد ہے یہاں اس کے غلط تصور کے باعث لوگوں میں تعصب پیدا ہو گیا ہے۔ اس تعصب و تنگ نظری کے باعث یہاں ہندو اور مسلمانوں میں آسمان (بقیہ صفحہ)

ہز ہائینس معظم الاشان شہزادہ برار کا پیام

جو لاسلکی نشر گاہ حیدرآباد سے نشر کیا گیا

نوجوانان ملک!

جنگ ہم سے اب بہت قریب ہوتی جارہی ہے اس لئے ملک کے ہر نوجوان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ملک اور ملک کی حفاظت کے لئے سپاہی بن جائے اور فوج یا قاعدہ کی نگرانی میں ٹریننگ حاصل کرکے فوجی خدمات انجام دے میں ٹریننگ اور تربیت کے انتظامات میں ذاتی دلچسپی لے رہا ہوں۔

میں ان نوجوانان ملک سے مخاطب ہوں جو ہر قسم کی تربیت کو آنچ طور سے سمجھ چکے ہیں جن کی ہمتیں جوان جن کے حوصلے بلند اور جن کے دل میں ملک اور ملک کے ساتھ وفاداری کے جذبات موجزن ہیں اور دکن کی روایات کو برقرار رکھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس سرزمین کی آغوش میں پرورش پائی ہے اس کی حفاظت کا فرض ہے۔ انہیں جوش اور کرن دیکھنا ہے کہ اس آواز پر کون کون لبیک کہتے ہیں اور اپنے اسلاف کی طرح ہمت و عمل کا ثبوت دیتے ہیں۔

نواب صدر اعظم بہادر کا پیام

جو لاسلکی نشر گاہ حیدرآباد سے نشر کیا گیا

آج کا دن حیدرآباد کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ جب ولی عہد سلطنت آصفیہ اپنی گرانقدر مصروفیات اور اس عظیم الشان و شوکت کے باوجود بہ خاطر رئیس و سودے سے عطا فرمائی ہے اپنی ذمہ داری کے کامل احساس کے ساتھ ملک کے نوجوانوں کو اپنے دوش بدوش کھڑا ہونے کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ وہ اس پرآشوب زمانہ میں ایک جان ہوکر ملک کی حفاظت اور ملک کی خدمت کی عزت حاصل کرسکیں۔

اس جنگ کی خون فشان موجیں ہمسایہ ممالک کے حدود سے گزر کر اب خود ہمارے اپنے ملک کے ساحل سے ٹکرا رہی ہیں ایسے وقت میں جب کہ بیرونی خطرہ سے دوچار ہونے کے علاوہ داخلی انتظام میں بھی بالعموم بے چینی اور حرکت پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نوجوانان حیدرآباد کا یہ فرض ہے کہ وہ اٹھیں اور اپنے ہر دلعزیز اور والا گہر شہزادہ کے دوش بدوش کھڑے ہوکر ملک کی عزت اور اہل ملک کی ناموس کے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور تمام وہ مختلف خدمات جو اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے ضمن میں ان پر عاید ہوتی ہیں مستعدی اور خندہ پیشانی کے ساتھ انجام دیں۔ جنگ کے مصائب تو مسلم ہیں۔ لیکن وہ ہر ملک سے صرف ان لوگوں کے ہوتے قربانیوں میں در پیش ہوں۔ مگر ہمیں اپنے اس بے حقیقت تر کو شش بھی مانی چاہئے کہ جو لوگ اپنے گھر اور اپنی بیوی بچوں

عزیزوں اور ہمسایوں کی عزت اور ناموس کی حفاظت کو ایک مذہبی فرض سمجھکر اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بیتاب ہیں اور اس خطرہ کی آگ میں کود پڑتے ہیں، وہ اس خطرہ سے ہراساں یا گریزاں نہیں بلکہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ہز ہائینس شہزادہ ولی عہد بہادر نے اسی جذبہ اور عزم کے تحت نوجوانان وطن کو بلا امتیاز مذہب و ملت اہل ملک کے جان و مال اور تاج آصفیہ کے وقار کی حفاظت کے لئے اپنی قیادت میں مجتمع ہونے کی دعوت دی ہے۔ شاہزادہ ممدوح الشان نوجوان بھی ہیں۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کی افواج کے کمانڈر ان چیف بھی ہیں اور اس سلطنت ابد مدت کے ولی عہد بھی ہیں۔ اس لئے اس نازک دور میں آپ کی اپیل کو جو ابھی نشر کی گئی ہے ایک خاص اہمیت حاصل ہے جو محتاج بیان نہیں۔ مجھے ملک کے نوجوانوں کی وفاداری کی شان دار روایات کے پیش نظر جو ہر حیدرآبادی کا طغرائے امتیاز ہیں اور جن پر ہم سب بجا طور پر فخر و ناز ہے پورا توقع ہے کہ وہ اس نازک گھڑی میں ذات ہمایونی کے بعد حیدرآباد کی سب سے بڑی ہستی کی دعوت پر لبیک کہکر اپنے خدا اور بادشاہ دونوں کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ مجھے یقین ہے اور میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ رشتہ خلوص و عقیدت جو شاہزادہ عالیجاہ اور بندگان عالی کی نوعمر نوجوان رعایا کے درمیان قائم ہے ہمیشہ قائم رہیگا اور دن بدن زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا جائیگا تاکہ سب ملک کی خدمت اور اپنے آقائے ولی نعمت کے نمک کا حق ادا کرنے کی سعادت حاصل کرسکیں۔

سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ ایک اچھی چیز ہے کوئی ایسی تجویز پیدا کردے جس سے قومی حکومت کی تشکیل میں سہولت ہو گی یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ کل ہند کانگریس کمیٹی اور قائدین کانگریس پر ایک بہت ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کل ہند مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے کی سعی کریں اور اس کی تمام تجاویز کو دور کرتے ہوئے قومی حکومت کی تشکیل کو ممکن بنالیں۔

"ہندو" لکھتا ہے کہ اس قرارداد کی مخالفت مشکل ہی سے بجا ہوسکتی ہے۔ ہماری رائے میں ایسے موقعی مسئلہ کو حل کرنے کی اپنی حقیقی کوشش لا محالہ ضرور ہونا ہے اور ایسی تجویز کی ہر طرح ترتیب کرنے میں جس اس کے حقیقی مقصد کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ مدراس کی یہ قرارداد پیش کرنے والے اس بنیاد پر چلے ہیں کہ مسلم قائدین پر جوش وطن پرست ہیں اور ان پر جبر کی شمولیت سے وہ یہ سمجھ کر دوسرے فرقوں کے لئے اس بات کا کوئی اظہار کریں کہ مسلمانوں کو اپنے مستقبل سے خائف نہ ہونا چاہئے اور کانگریس نصب العین کا لحاظ نہ جب وقت پر ہندوستانی کے سیاسی حقوق کا یقین دلاتا ہے۔

ترکی قوم کے عزائم

ترکی اخبار "جمہوریت صباح" میں جو نیم سرکاری اخبار ہے ترکی کے موجودہ حالات اور ترکی قوم کی موجودہ رفتار پر حسب ذیل مقالہ شائع کیا ہے:-

ترکی کے متعلق اس وقت کئی سوال درپیش ہیں اور لوگ انکے حل میں مصروف ہیں۔ اول یہ ترکی قوم کی حالت کیا ہے؟ دوم یہ کہ اس کے عزائم کیا ہیں؟ سوم یہ کہ اگر جنگ چھڑ گئی تو ترکی کامیاب رہے گا یا ناکام؟ سوال اول اس لئے پیدا ہوا ہے کہ موجودہ جنگ میں ہر قوم اور ہر ملک کی حالت بدل چکی ہے جنہیں کمزور کہا جاتا تھا وہ تجربہ سے طاقتور ثابت ہوئے اور جن کو طاقتور سمجھا گیا تھا وہ میدان میں کمزور نکلے۔ اب لوگ چاہتے ہیں کہ ترکی کے متعلق بھی معلوم ہو جائے کہ وہ قوی ہے یا کمزور۔ اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ تجربے کے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ وقت سے پہلے باہر کی دنیا کسی قوم کی حالت کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ ترکی دنیا کے خصوصاً یورپ کے حالات سے باخبر ہے اسے معلوم ہے کہ ان کی قوت کی مقدار کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ترکی نے ان کی طاقت کا اندازہ نہ لگایا ہو اور خود اپنی طاقت کی طرف متوجہ نہ ہوا ہو۔

سوال دوم کے متعلق عرض ہے کہ عزائم یہ ہیں کہ وہ زندہ رہے، تو زندہ بھی عزت کے ساتھ اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے دے اور ان کا احترام کرے۔ اس مقصد کے لئے ترکی کسی قربانی سے دریغ نہیں کریگا۔ اس راہ میں خون بہانا ترکی کا ایمان اور فرض اولین ہے اور ترکی کا بچہ بچہ اس جذبہ سے سرشار ہے۔

تیسرے سوال کا جواب صرف یہی دیا جاسکتا ہے کہ ترکی کی ناکامی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یورپ کی کامیابی اور ناکامی میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ ناکام یورپ کامیاب یورپ ہی کی دوسری شکل ہے یعنی اگر یورپ ناکام رہا تو اس کی جگہ لینے والا بھی یورپ ہی ہوگا۔ لیکن ترکی کو معلوم ہے کہ اس کی ناکامی اس کے معدوم ہو جانے کے مترادف ہے۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو ترکی اپنی بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیگا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترکی ناکام نہیں ہوگا اس مقالہ کی آخری سطور ان الفاظ پر ختم ہوتی ہیں۔ ترکی زندہ رہے گا یا موت کی آغوش میں جائیگا اس کے کوئی درمیانی صورت نہیں ہے۔

مسٹر راجگوپال چاری کی قرارداد

اخبار "ہندو" کا خیر مقدم

روزنامہ "ہندو" مدراس نے مسٹر سی راجگوپال چاری کی قرارداد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے جس کے دوران میں وہ لکھتا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ سے سمجھوتہ کوئی بات نہیں ہے بلکہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس قرارداد

دارالعوام میں سر اسٹیفورڈ کرپس کا بیان

سر اسٹیفورڈ کرپس لارڈ پریوی سیل نے آج اپنے ہندوستان کے متعلق دارالعوام میں مباحثہ کا افتتاح کیا اور کہا کہ وہ نہیں خیال کرتے کہ ملک کے کسی شخص کو افسوس کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کے حل کی تجاویز پیش کی گئیں اور ہز میجسٹی کی حکومت یا باشندوں کو راضی نامہ نہ ہو سکنے کے افسوسناک واقعہ پر الزام دینا چاہیے۔

کرپس نے کہا کہ مشرق بعید کی جنگ کے واقعات کے باعث جس کے ساتھ ساتھ محوری ذرائع نے نہایت بڑا گو بہت گمراہ کن پروپیگنڈا کیا ہندوستانی رائے کے بعض حصوں میں برطانوی کے خلاف جذبات ظاہر ہوئے ہیں۔

حکومت خود اختیاری اور خود ارادیت کے بنیادی اور جامع نقاط پر کوئی اختلاف نہ تھا اختلاف اس طریقہ پر جس سے اس حکومت خود اختیاری کا استعمال کیا جاتا تھا اور نئے دستور کے نافذ ہونے تک حکومت کے عارضی انتظامات پر پیدا ہوا۔

میں نہیں باور کرتا کہ موجودہ حالات میں حکومت کے اعلان سے زیادہ معقول حل معلوم کرنا ممکن ہے۔

کرنل جانسن کی نسبت انہوں نے کہا کہ امریکی مداخلت کا کوئی سوال نہ تھا بلکہ سوال تھا امریکن شہری کی شخصی امداد کا تھا۔

ہندوستان کے جنگ کی نسبت انہوں نے کہا کہ مسلح افواج پر حقیقی قابو برطانوی سپہ سالار کو ہے انہوں نے کہا کہ اس بارے میں کامل اتفاق ہے کہ مسلح افواج برطانوی سپہ سالار کو انہوں نے تالیوں میں کہا کہ موجودہ وقت میں ہندوستان کی دفاع کے اہم اور فوری مسئلہ میں اس سے زیادہ کرنا ناممکن ہے حکومت کو ان کے کوشش کی ناکامی پر گہرا افسوس ہے۔

اس واقعہ سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجاویز پیش کی گئیں۔ حکومت کو بھی امید تھی کہ وہ ہندوستان کے لیڈروں کو ہندوستان کے مستقبل کے حل اور بڑائی کے خطرہ کے خلاف دفاع میں کمک پہنچانے کے واحد مقصد سے ملا دے گی۔ یہ دشوار تھا۔ ایسی چیز پر زیادہ تر اس زمانہ میں بحث ہو سکتی تھی ہندوستان کی دفاع کی ضرورتوں کی وجہ سے خارج رکھی گئیں۔ توقع کی گئی تھی مسودہ تجاویز کو قبول یا بالکل مسترد کر دیا جائے گا۔

مسئلہ دفاع پر خود ہندوستان میں نمایاں اختلاف رائے تھا خصوصاً حکومت ہند کی ذمہ داری کی نسبت لیکن اس بارے میں کامل اتفاق تھا کہ ہندوستان میں فنی انصرام جنگ اور افواج پر قابو برطانوی سپہ سالار کے تحت رہیں۔ تمام ہندوستانی لیڈروں نے دفاع ہند کے لئے پوری کوشش کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی بغیر شناختی وہ تب کی آمد آمد پر موزوں ماحول نہیں حکومت کے احساس زیادہ خلاف خطرات تحت ہو گئے۔

پاکستان کا مسئلہ

ایک سب سے بڑی دشواری مسلمانوں کی علیحدگی کا نظریہ تھا مسودہ اعلان میں اس سے کچھ زیادہ نہ تھا جس کو مسٹر گاندھی اور دوسرے لیڈروں نے کہا تھا کہ وہ کرنے پر تیار ہیں یعنی پاکستان کے مسئلہ کو کھلا رکھنا مسودہ اعلان وہ انتخاب پیش آ جانے کے درمیان اسکا قابل حد تک معقول سمجھوتہ تھا۔ عارضی حکومت کے مسئلہ میں کانگریس جو وسیع اختیارات مانگتی ہے یہی گفت وشنید کی شکست کا حقیقی سبب تھا۔ اس سے یہ ناممکن موقف پیدا ہو جاتا کہ وہ سوا کسی کے آگے جواب دہ نہیں رہیں۔ بہر حال دروازہ بند نہیں ہوا ہے فی الوقت ہمیں ہندوستان کی دفاع پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے اور بہت سے ہندوستانی لیڈر ہندوستانی باشندوں میں ولولہ پیدا کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

کرپس نے اس بات پر زور دیا کہ انہیں جنگی کابینہ نے تصفیہ کرنے کا پورا اختیار دیا تھا اور صرف وہی گفت وشنید کے ذمہ دار تھے۔ ہز میجسٹی کی حکومت کا فرض تھا کہ سمجھوتہ کرانے کی کوشش کرے نہ کہ کسی فریق کو وہ سب دے دے جو وہ چاہتا ہے اور پھر دوسرے فریق پر اس کو نافذ کرے انہیں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ اقلیتوں کے مجوزہ دستور کے تحت کوئی حفاظت کا سامان رہتا۔ کسی ذمہ دار ہندوستانی لیڈر نے ہز میجسٹی کی حکومت کے خلوص کو چیلنج نہیں کیا اور ہر ایک نے گفت وشنید کی باہمی مفاہمت و دشواری کی فضا کا ثبوت دیا۔

تمدن انسانی کا انتشار

بقیہ صفحہ (۸)

گئے دن فسادات ہوتے رہتے ہیں دیگر اسلامی ممالک مثلاً ایران اور ترکی وغیرہ یورپ سے بہت کافی متاثر ہو چکے ہیں اور مذہبی تصور کے برخلاف وہاں اس قدر ردعمل ہو رہا ہے کہ مذہب کے صحیح تصور کا بھی اثر کم ہو رہا ہے۔

تمدن انسانی پر ہم نے جو ایک سرسری نظر ڈالی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی معاشی زندگی ہو یا سیاسی، اخلاقی ہو یا سماجی، مذہبی ہو یا روحانی اس وقت ایک عجیب خلفشار میں گھری ہوئی ہے۔ رات کی تاریکی اپنی انتہا تک پہنچ رہی ہے۔ تمدن انسانی کے انتشار کی سب سے بڑی مظہر موجودہ بہیمت ناک جنگ ہے لیکن رات جب انتہائی تاریک ہو جاتی ہے تو اسی وقت سے اس کا زوال بھی شروع ہو جاتا ہے۔ نصف شب کے گزر جانے کے بعد صبح کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اس وقت گو کہ انسانیت شب کی انتہائی تاریکی میں پہنچی ہوئی ہے اس کا مستقبل تاریک دکھائی دیتا ہے لیکن اسی تاریکی ہی میں سے اب کچھ طلوع صبح کے آثار بھی دکھائی دینے لگے ہیں۔

عالمگیر انسانیت

طلوع صبح کے یہ آثار اس وقت عوام اور سیاست دانوں حکام اور اہل زر کے دلوں میں نہیں پائے جا رہے ہیں بلکہ شعراء اور ادباء کے حساس دلوں میں پائے جاتے ہیں چنانچہ بعض قومی رہنماؤں کے دلوں میں بھی یہ تصور اب جاگزیں ہونے لگا ہے۔ اس وقت ایک شاعری کی ابتدا ہوئی ہے جو انسانیت کا تصور پیش کرتی ہے جو انسانیت کو دوبارہ اخوت اور بھائی چارے کا سبق دینا چاہتی ہے جو اس کو دوبارہ اس کی روحانی بنیادوں کی طرف رجوع کرانا چاہتی ہے جو انسانی میں ظلم و سرکشی کی جگہ محبت و رفاقت کی کارفرمائی دیکھنا چاہتی ہے۔ اس قسم کی شاعری کے سب سے بڑے نمائندے اقبال اور ٹیگور رہیں۔ اقبال نہایت بلند آہنگی اور جوش سے انسانیت کو محبت کی دعوت دیتا ہے۔ ٹیگور نہایت نرم اور میٹھے سروں میں اس کو اس طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ انگلستان میں ایک عالمگیر انسانیت کا تصور پیش کرنے والے ادیب برنارڈ شا اور ویلز ہیں۔ شا اشتراکیت کے ذریعہ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ویلز دنیا کی ایک متحدہ ریاست کا خواب دیکھتا ہے۔ فرانس میں روماں رولاں، جرمن میں ٹامس مین، روس میں گورکی اس تحریک کے حامی رہیں۔ ترکی ادیب میں خالدہ ادیب خانم اسی انسانیت کے نصب العین کی ترجمانی کر رہی ہیں۔

غرضیکہ نفس انسانی میں موجودہ بہیمیت اور بربریت کے خلاف ایک ردعمل شروع ہو گیا ہے۔ اسی نفس میں ایک انقلاب تدریجاً لیکن یقینی طور پر پیدا ہو رہا ہے۔ اسی نفسی انقلاب کے خارجی مظاہرات وہ عالمگیر ادب اور شاعری ہیں جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں اس ادب کے حامل چند صفحات بھی ہیں جو اس وقت پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس کی نظیر وہ مختصر کوششیں بھی ہیں جو اس وقت کے حصول کے لئے نفس کی جدوجہد کی جا رہی ہیں لیکن اس وقت تک کوئی عالمگیر تحریک کا منظم وجود نہیں ہے اور جو کچھ خفیہ کوششیں کی گئی تھیں وہ بھی اقوام کی خود غرضیوں کے باعث تباہ ہو چکی رہیں۔

انسانیت کی تحریک کی وسیع اور منظم کرنے کے لئے تمام دنیا کے انسانوں کی معاشی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی اور مذہبی زندگی کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تنظیم اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم ان خارجی مظاہرات کے داخلی محرکات کو دیکھ لیں۔ ان تمام محرکات کا اصل اور حقیقی سرچشمہ نفس انسانی ہے۔ ہم جب تک نفس انسانی سے کلیتاً واقف نہ ہوں ہم اس میں انقلاب پیدا کر سکتے اور جب تک داخلی انقلاب نہ ہو خارجی انقلاب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک جدید انسانیت پیدا کرنے کے لئے زندگی کی ایک طرح توڑنے کے لئے ہم کو نفس انسانی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی مختلف صلاحیتوں کو سمجھنا چاہئے۔ نفس انسانی کے اس علم کی بنیادوں پر ہم جدید انسانیت کی عظیم الشان عمارت کھڑی کر سکیں گے اور دنیا کو ایک نئی زندگی دے سکیں گے احیائے انسانی کے لئے نفس انسانی کے علم کی از بس ضرورت ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفس میں انقلاب نہ پیدا کرے۔

جنگ اور قیمتوں کی نگرانی

(بسلسلہ صفحہ ۱)

جناب غلام محمد صاحب قریشی جیسے تجربہ کار افسر کی بہ نفس نفیس سرکردگی میں کمیٹی نے جو اقدام کیا وہ نہایت موزوں اور کافی موثر ثابت ہوا۔ اس انتظام سے آپ سب واقف ہوں گے۔

پہلے تو ہر ضلع میں قیمتوں کی نگرانی کے لیے کمیٹیاں قائم کی گئیں جو اس خیال سے کہ رعایا کو تکلیف زیادہ تر اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں کے اضافے سے ہوگی یہ تصفیہ کیا گیا کہ انہی پر نگرانی کا انتظام کیا جائے۔

شہر حیدرآباد میں پہلے چند دوکانیں ایسی قائم کی گئیں جو مقررہ نرخ پر اجناس فروخت کرنے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔ کمیٹی نے ہفتہ میں ایک مرتبہ ان دوکانوں کے نام اور جنس واری نرخ اور جملہ نرخ اخبار اور لاسلکی کے ذریعہ مشتہر کیے جانے کا انتظام کیا اور لوگوں کو یہ تاکید کی گئی کہ اگر مقررہ قیمتوں سے زیادہ قیمت طلب کی جائے تو رسید حاصل کر کے کمیٹی مذکور کو اطلاع دی جائے۔ یہ ایک آسان اور ممکن العمل انتظام تھا کہ آج تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ جن دوکانداروں کو نفع اندوزی نہ کرنے سے نقصان ہوتا تھا اس کی تلافی تشہیر اور زیادہ بکری کے ذریعہ ہوگی۔ ان دوکانداروں کی وجہ سے دوسرے دوکانداروں پر بھی روک عائد ہوگی۔

منظم تجارت کی ضرورت۔

ان ہی اشیاء کی قیمتوں پر نگرانی رکھی جا سکتی ہے جن کے بیوپار میں تنظیم ہو۔ اس قسم کی تنظیم نہ ہونے کے باعث ہندوستان میں نگرانی کے سلسلے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں۔ باٹوں اور پیمانوں میں جو اختلافات ہے اس سے بھی بے حد دقتیں پیش آتی ہیں۔ ہر ضلع میں یہ پیمانے بدلتے جاتے ہیں بعض جگہ سیر سے خاص ناپ مراد ہے اور بعض جگہ سیر سے وزن مراد ہے جو بیس تولے سے (۱۰۰) تولے تک ہو سکتا ہے۔ اس طرح حکومت کی جانب سے اوزان مقرر ہونے کے بعد بھی مقامی معیار کے اختلاف کے باعث دقتیں بدستور برقرار رہیں گی۔

علاوہ ازیں قسم خوبی کے اعتبار سے غلہ کی باضابطہ درجہ بندی موجود نہیں اگر اعلیٰ قسم کی کوئی قیمت مقرر کر دی جائے تو اس کا کیا یقین ہے کہ اچھے غلہ میں ادنیٰ قسم شامل کر کے وہی قیمت وصول نہیں کی جائے گی۔ غلہ وغیرہ کا بیوپار دلالوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے جو بیوپاری تنظیم وغیرہ کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں چونکہ عام حالات میں بھی قیمتیں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں اس لیے غیر معمولی حالات میں تو ان پر نگرانی رکھنا نہایت مشکل کام ہے اور اس لیے اس وقت تک خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تجارت میں تنظیم قائم نہ کی جائے اور ساتھ ہی حکومت کی جانب سے حاملہ مہر تیس بہم پہنچائی نہ جائیں۔

لازمی شرط۔ مذکورہ بالا بیان کے ثبوت کے لیے آپ نے

منظم کاروبار کی مثالیں دیں۔ مثلاً پٹرول، شکر اور کوئلہ کی تجارت میں نہ صرف قیمتوں پر معقول نگرانی رکھی جا سکتی ہے بلکہ راشننگ بھی سہولت سے ہو سکتی ہے۔ تقریر ختم کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ راشننگ کے ذریعہ دراصل طلب پر نگرانی رکھی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا چند اشیاء کی قیمتیں معین کر دینے میں جو کامیابی ہوئی ہے اس سے واضح ہے کہ ایسی صورتوں میں قیمتوں کو ایک خاص حد تک برقرار رکھا جا سکتا ہے جب کہ طلب و رسد میں سے کسی ایک پر قابو حاصل ہو۔ اس کے برخلاف طلب یا رسد پر قابو رکھے بغیر قیمتوں کو معین کر دینا بالکل بے اثر ہوگا۔

اشتہار حاضری فریقانیان بہ عدالت دیوانی منصفی پرینڈہ

نمبر مقدمہ ۲۶ سنہ ۱۳۵۲ ف   تاریخ ۱۰ ماہ خورداد ۱۳۵۲ ف

باجلاس مولوی ہدایت حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی منصف پرینڈہ

محمد میاں ولد زین الدین صاحب نیار قوم اہل اسلام عمر ۳۰ سالہ پیشہ بیوپار ساکن پرینڈہ حال مرشح سرا ڈھون متعلقہ کلم

بنام

جنت بی وغیرہ فریقانیان

دعویٰ۔ عطاء صداقت نامہ وراثت۔

بنام جنت بی زوجہ زین الدین صاحب نیار قوم اہل اسلام عمر ۵۰ سالہ پیشہ خانہ داری ساکن حال شولاپور۔ پیٹھ ترنگی ناکے کے پاس وڈر کی چالی میں مکان نمبر (۳۰۵) ابراہیم صاحب ولد محمد صاحب کے توسط سے۔

اسمٰعیل صاحب ولد زین الدین نیار قوم اہل اسلام عمر ۲۴ سالہ پیشہ بیوپار ساکن شولاپور پیٹھ صدر

عبدالرحمن ولد زین الدین نیار قوم اہل اسلام عمر ۱۹ سالہ پیشہ بیوپار ساکن شولاپور۔ پیٹھ صدر

مینیجر صاحب۔ دی ۔۔۔ شنکر مل لیمیٹڈ موقوعہ شہر بارسی ضلع شولاپور علاقہ سرکار عظمت مدار۔

بمقدمہ صدر عدالت ہذا میں محمد میاں فریق اول نے درخواست دی ہے کہ فریق ثانی نمبر ۱ مدعی کی سوتیلی والدہ ہے اور مدعی علیہ نمبر ۲ و ۳ سوتیلے بھائی ہیں نمبر ۴ مینیجر مل ہے شہر بارسی میں کپڑے کی مل موسومہ دی ۔۔۔ شنکر مل لیمیٹڈ ہے جس فریق اول کے والد مسمی زین الدین نے کمپنی مذکور کا شیئر نمبر (۱) ایک صد روپیہ کا خریدا تھا جن کا انتقال ہو چکا ہے شیئر مذکور کا منافع حاصل کرنے اور نیز شیئر اپنے نام منتقل کرنے مینیجر صاحب مل فریق ثانی سے کہا گیا تو سارٹیفکٹ وراثت پیش کرنے کی تفہیم ہوئی بنا بریں عدالت ہذا میں رجوع ہو البتہ صداقت نامہ وراثت حسب ضابطہ عطا فرمایا جائے۔ اس درخواست کے بعد بہ نام نوٹس اجرا ہوا ہے نوٹس کی تعمیل نہیں ہوئی اور تمہارا صحیح پتہ معلوم ہوتا ہے اس لیے یہ اشتہار اخبار میں شائع کیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ تم تاریخ ۲۰ خورداد ۱۳۵۲ ف روز ۔۔۔ عدالت ہذا میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر پیروی مقدمہ کرو ورنہ حسب ضابطہ عطاء صداقت نامہ وراثت کے سبب کارروائی حسب ضابطہ عمل میں لائی جائے گی۔

بعد کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ فقط

دستخط سررشتہ دار   دستخط منصف

شہری دفاع اور فرقہ واریت

"دکن کرانیکل" کا تبصرہ

معاصر "دکن کرانیکل" نے ۲۹ اپریل کی اشاعت میں تحریر کیا ہے کہ حیدرآباد میں اے۔ آر۔ پی۔ کی تنظیم کو فرقہ واریت سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ ہندو مسلم قائدین کے مشترکہ بیان سے یہ امید بندھ گئی تھی کہ دوران جنگ اگر مفاہمت نہیں تو کم از کم غیر جانبداری کی روش اختیار کی جائے گی۔ مقامی صحافت نے جو موجودہ قیادت سے اکتا گئی ہے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور معلومات حیدرآباد نے جو ایک سرکاری ترجمان ہے یہ توقع ظاہر کی کہ جب لوگ اے۔ آر۔ پی کی اسکیم میں اشتراک عمل کریں گے تو سیاسی میدان میں بھی اشتراک عمل کا میلان پیدا ہو جائے گا۔ لیکن قائدین کا مشترکہ بیان شرمندہ عمل نہیں ہوا اور بہت جلد فرقہ واریت نقار چھا گئی۔ اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا کہ خطرہ مشترک ہے کسی ایک فرقے کے لیے نہیں اور وہ مشترکہ پلیٹ فارم جو اے۔ آر۔ پی کی وجہ سے وجود میں آیا تھا اس پر فرقہ واریت پھر مسلط ہو گئی ...... یہ ستم ظریفی ہے کہ ہر شخص اے۔ آر۔ پی میں مدد دینے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے لیکن کوئی شخص غیر فرقہ واری بنیادوں پر کام کرنے تیار نہیں۔ مجلس دفاع کی تشکیل پر اختلافات رونما ہو رہے ہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین اس کے خلاف چاہے جو تنقید کی جائے خوش قسمتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی اہم ترین انجمن ہے۔ لیکن اس کے برعکس اے۔ آر۔ پی سے متعلق ہندوؤں میں کئی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں جو ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہیں۔ اسٹیٹ کانگریس بھی آپس میں متحد نہیں ہے جیسا کہ مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ اور سوامی رامانند تیرتھ کی روش سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسٹیٹ کانگریس کا نقطہ نظر پرجا منڈل سے مختلف ہے۔ اس کا ثبوت اس درخواست سے ملتا ہے جس میں پرجا منڈل نے کہا ہے کہ مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ اور ان کے رفقاء مجلس دفاع میں ہندوؤں کی نمائندگی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ حکومت کے لیے راہ عمل صاف ہے۔ وہ کسی ایسے اقدام کا خیر مقدم نہیں کر سکتی ہے جو فرقہ واریت پر مبنی ہو۔ حکومت سرکار عالی اور آنریبل ریزیڈنٹ فرقہ واری رضاکار دستوں کے قیام کی اجازت دینے تیار نہیں کیونکہ ایسے دستے نہ صرف معیار پر پورے نہیں اتریں گے بلکہ ان میں باہمی تصادم کا بھی اندیشہ ہے۔ اگر جماعتیں خود غرضی کو ترک کر کے حکومت کے ساتھ کامل تعاون عمل کریں تو وہ نہ صرف اپنے فرقوں کی بلکہ بحیثیت مجموعی ملک کی مدد کریں گے۔ بہرصورت حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام اس اشتراک عمل کے ساتھ یا بلا اس کے جاری رکھے۔

احمدیہ پریس چارمینار میں طبع ہو کر باہتمام سید حسن (مشاہد) دفتر اخبار حکمت سے شائع ہوا۔